تحقیق و تنقید

علی رضا احمد بطور مزاح نگار

ہادیہ سحر

کتاب نمو ئے زندگی کی ضامن ہے
اس سے محبت کیجئے

ALI RAZA AHMAD
E-mail: alirazaahmad@hotmail.com
Facebook: alirazaahmad/writer

زیرِ مطالعہ کتاب مصنفہ ہادیہ سحر کے ایما پر شائع کی گئی ہے اور اس کے متن کی تمام تر ذمہ داری انہی کو مستحسن ہے۔ پبلشر یا پرنٹر قطعاً ذمہ دار نہیں۔
ادارہ اردو سخن ڈاٹ کام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ قارئین تک بہترین اور اغلاط سے پاک ادبی مواد پہنچایا جائے اور اس ضمن میں ہر امکانی کوشش کو بروئے کار لایا جاتا ہے تاہم غلطی کی نشاندہی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی درستی کی جائے۔ (ادارہ)

یہ مقالہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور شعبہ اردو سیشن ۲۰۲۱ء۔۲۰۱۷ء میں بی ایس
اردو کی سند کے حصول کے لیے پیش کیا گیا

علی رضا احمد بطور مزاح نگار

تحقیق وتصنیف

ہادیہ سحر

urdusukhan@urdusukhan.com www.urdusukhan.com

اردو سخن

آرٹ لینڈ، گرلز کالج روڈ، اردو بازار چوک اعظم (لیہ) فون:0302-7844094

اسٹاکسٹ: فائن پبلی کیشنز، آفس 16، II۔ سیکنڈ فلور ڈیوس ہائٹس، ڈیوس روڈ لاہور

اردو سخن

استحقاق: تمام تصرفات "ہادیہ سحر" کی تحویل میں ہیں

ناشر: اردو سخن ڈاٹ کام، پاکستان

نمودِ اول: نومبر 2021ء

کمپوزنگ: شہریار ناصر

سرورق: ناصر ملک

طباعت: شیرِ ربانی پریس، ملتان

قیمت: 1000 روپے

(30 یورو، 25 پاؤنڈ، 35 ڈالر)

urdusukhan@urdusukhan.com www.urdusukhan.com

اردو سخن

آرٹ لینڈ، گرلز کالج روڈ، اردو بازار چوک اعظم (لیہ) فون: 0302-7844094

اسٹاکسٹ: فائن پبلی کیشنز، آفس 16، II۔ سیکنڈ فلور ڈیوس ہائٹس، ڈیوس روڈ لاہور

سیشن ۲۰۲۱ء۔۲۰۱۷ء

اقرار نامہ/تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتی ہوں کہ یہ تحقیقی مواد ہادیہ سحر رجسٹریشن نمبر 17/LCWU-2812 رول نمبر 1725137008 نے شعبہ اُردو کا مقالہ برائے بی ایس بعنوان ''علی رضا احمد بطور مزاح نگار'' پیش کیا ہے اور میرے زیر نگرانی انجام پایا ہے۔ اس مقالے میں پیش کردہ حقائق و نتائج براہ راست میری نگرانی میں اخذ کیے گئے ہیں۔ اس میں بیان کردہ نکات تحقیقی صحت و معیار کے لحاظ سے قابل اعتبار ہیں۔ مزید یہ کہ اس میں پیش کیا گیا مواد اس سے قبل نہ جزوی طور پر نہ کلی صورت میں کہیں شائع ہوا ہے۔ اندرون ملک یا بیرون ملک کسی ادارے میں اس موضوع پر کام نہیں کیا گیا۔ میں اس بات کی بھی تصدیق کرتی ہوں کہ یہ مقالہ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی کے مجوزہ معیار کے مطابق ہے اور ہر اعتبار سے اس قابل ہے کہ اسے لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی میں مروج طریق کار کے مطابق جانچ پرکھ کے بیرونی ممتحن کو بھیج دیا جائے۔

نگران مقالہ

ڈاکٹر عائشہ عظیم

لیکچرار شعبہ اُردو

لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

انتساب

میری یہ کاوش

پیاری دادی ماں صغراں بیگم (مرحومہ)

اور

میرے والد حافظ عبدالقیوم

اور

والدہ عابدہ شاہین

کے نام

جن کی شفقت و محبت نے مجھے ہر لمحہ علم و ترقی کی راہ پر گامزن رکھا

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا

فہرست

حرفِ تشکر		8
باب اول:	علی رضا احمد۔سوانح وشخصیت	14
	(الف)سوانح	14
	(ب)شخصیت	26
	(ج)تصانیف کا مختصر تعارف	30
	حوالہ جات	34
باب دوم:	علی رضا احمد کی مزاح نگاری کا فکری جائزہ	36
	حوالہ جات	62
	تصاویر	65
باب سوم:	علی رضا احمد کی مزاح نگاری کا فنی جائزہ	69
	حوالہ جات	111
باب چہارم:	محاکمہ	121
	مصادر	128

حرفِ تشکر

؎ تلاش کرنی تھی اک روز اپنی ذات مجھے
یہ بھوت بھی مرے سر پر سوار ہونا تھا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ!

تمام حمد وثناوہ پاک ذات اللہ رب العزت کے لئے جس نے یہ کائنات تخلیق کی اور اشرف المخلوقات کو ایک نُطفے سے پیدا کیا۔ ''الحمدللہ''.....ایک پُرسکون احساس ہے، سکونِ زیست ہے، لاحاصل سے حاصل تک کا سفر ہے۔ یہ کلمات ہر کسی کی زبان سے ادا نہیں ہوتے، بے زبان تو نم آنکھوں سے ہاتھوں کو اٹھائے آسمان کی سمت دیکھ کر بھی کہہ ڈالتے ہیں۔ مگر ہم انسان جو بولنے کی حیثیت رکھتے ہیں ان کلمات سے کوسوں دور ہیں۔ اللہ رب العزت کا عطا کردہ سب کچھ مگر ''الحمد اللہ'' کی کمی ہے۔ زندگی کے کچھ سال تو اسے سمجھنے میں ہی لگ گئے۔ سوچتی تھی کہ نا جانے کیوں یہ کہتے ہیں، یہ تو نماز میں پڑھتے ہیں لیکن جب ان کلمات کو سمجھا تو آنکھ سے اک موتی پلکوں کی باڑ توڑ کر آیا، پھر جیسے جیسے الحمدللہ تک رسائی حاصل کی اشکوں نے روا ٔ شدت اختیار کر لی۔ میرے قلم سے نکلتی گردان الحمدللہ ہی سے ہے۔ قابلیت مجھ سے نہیں، میں قابلیت سے ہوں اور یہ صرف اور صرف الحمدللہ سے ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کروں کم ہے۔ کوئی بھی کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر ممکن نہیں ہم تو اس ذات باری تعالیٰ کے کُن کے منتظر ہیں۔ اللہ کے ذکر اور اس کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کے بغیر زندگی کا کوئی بھی کام ناممکن ہے۔ میں اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھے عاجزانہ قلمی کاوش کا موقع عنایت فرمایا۔ میرا ہر

صالح قول وعمل اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے نام جن کے دم کرم سے فنا کی راہیں بقا کے رستوں کی ہم سفر ٹھہریں۔

لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی کے بارے میں لکھنا شروع کروں تو قلم کی سیاہی مدھم پڑ جائے، چار سالہ سفر کی یادیں سمندر کی گہرائیوں کو پار کر جائیں گی مگر لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی سے محبت برقرار رہے گی۔ ڈائری لکھنا مجھے شروع ہی سے پسند تھا۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ پانچویں جماعت میں میں روز ڈائری لکھا کرتی تھی اور اسے چھپا کر رکھتی تھی کہ کہیں کوئی اسے پڑھ ہی نہ لے۔ انسان بھی کس قدر خود غرض ہے چھوٹی سی عمر میں بھی اپنے راز افشاں نہیں کر پاتا بھلے وہ راز دن گزرنے کا ہی کیوں نہ ہو۔ بہر حال بات تھی لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی کی، میرے ادبی ذوق وشوق کی پہلی سیڑھی اس ادارے نے پار کروائی۔ یہ ادارہ محض تعلیم دینے کا نہیں بلکہ تربیت کو فروغ دینے کا ہے۔ لاہور کالج میں جب پہلا قدم رکھا تو کلیوں کی مہک نے آن گھیرا، ایک ٹھنڈی آہ بھری اور مخاطب ہوئی ''سیکھنا ہے اور کچھ بن کر الوداع کہنا ہے''۔ چنانچہ میں قدم سے قدم ملاتی گئی اور راستے بنتے گئے۔ اُردو ادب میں داخلہ تو لے لیا تھا پھر سوچا کہ کروں گی کیا؟ آخر میں تو یہی سننے کو ملتا ہے کہ اس نے تو اُردو ادب ہی پڑھا ہے لیکن نہیں میں نے اُردو ادب نہیں پڑھا میں نے زندگی کو پڑھا ہے اور اسے جینے کے اصول وضوابط سے خود کو ہمکنار کیا ہے۔ اُردو ادب نے مجھے زیست کے ان مطالب سے آگاہ کیا جو کڑوے ہی سہی مگر حقیقتیں ہیں۔ جیسے جیسے اُردو ادب کو پڑھتی گئی زندگی کے ہر نئے پہلو سے آشنا ہوتی گئی۔ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی شعبۂ اُردو نے نہ صرف دنیاوی علم دیا بلکہ دینی علم سے بھی واقف رکھا۔ اس ادارے نے تعلیم کے ساتھ ساتھ میری تربیت میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ آج یہ سفر اختتام پذیر ہوا جاتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک اس ادارے اور شعبۂ اُردو کو ترقی کے منازل اپنی کرم نوازی سے طے کروائے اور اس کا نام روشن کرے۔ میرا یہ سفر جس کے آغاز میں نے لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی سے کیا آج تکمیلی مراحل میں ہے۔ یہ سوچتے ہی دل کی دھڑکن تھم سی جاتی ہے کہ بس یہ اتنا

ہی سفر تھا، ختم بھی ہو گیا اور وقت کا پتہ نہ چلا۔ ہمارے اس تعلیمی پروگرام کے اختتام پر مقالہ تحریر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مقالہ لکھنے کا پہلا مرحلہ نگران مقالہ کا انتخاب تھا۔ نگران مقالہ کی فہرست تیار ہوئی اپنی نگران ڈاکٹر عائشہ عظیم کو منتخب پایا۔ وہ لمحہ میرے لیے بے حد خوشی و مسرت کا باعث بنا۔ میں اپنے شعبۂ اُردو میں جب بھی انھیں دیکھتی تھی تو اک لفظ ''کاش'' کی خواہش پیدا ہوتی تھی۔ اپنے چار سالہ تعلیمی پروگرام میں ایک بار بھی ان سے فیض اٹھانے کا موقع نہ ملا اور ساتویں سمسٹر تک ایک ہی حسرت رہی ''کاش! ڈاکٹر عائشہ عظیم ہمیں بھی پڑھاتی اور میں انھیں خوب تنگ کرتی، ڈانٹ کھاتی اور مجھے مزہ آتا۔''

بے شک اللہ کی ذات دلوں کے بھید سے بخوبی واقف ہے اور اس ذات نے یہ انمول تحفہ مجھے اپنی نگران مقالہ کی صورت میں دیا۔ ڈاکٹر عائشہ عظیم کو اپنی نگران کی صورت میں دیکھ کر دل کو تسلی ہوئی اور دل ہی میں خود سے مخاطب ہوئی کہ ''ہادیہ بے فکر رہو تمہارا موضوع بہترین ہوگا'' اور یوں میں اپنے مقالے کے موضوع سے بے فکر ہو گئی۔

میرے تحقیقی مقالے کا عنوان ''علی رضا احمد بطور مزاح نگار'' ہے۔

زیرِ نگاہ مقالہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔

1- پہلا باب بعنوان ''علی رضا احمد سوانح و شخصیت'' ہے جس میں علی رضا احمد کی حالات زندگی اور تعارف شامل ہے۔ اس باب کا ایک اور جز و علی رضا احمد کی تصانیف کا مختصر تعارف کے نام سے منسوب ہے۔ جس میں ان کی تصانیف کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔

2- باب دوم کا عنوان ''علی رضا احمد کی مزاح نگاری کا فکری جائزہ'' جس میں علی رضا احمد کی مزاح نگاری میں شامل موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

3- باب سوم ''علی رضا احمد کی مزاح نگای کا فنی جائزہ'' میں فنی حوالے سے علی رضا احمد کی مزاح نگاری کو پرکھا گیا ہے۔

علی رضا احمد کی مزاح نگاری کے فکری و فنی جائزے کے بعد محاکمہ کے عنوان سے تمام تر

نتائج کو سمویا گیا ہے۔ اختتام پر مصادر شامل ہیں۔

میں اپنی نگرانِ مقالہ ڈاکٹر عائشہ عظیم کی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے مجھے میری تمام تر خامیوں اور نادانیوں سمیت قبول کیا۔ میری خوش بختی ہے کہ مجھے ڈاکٹر عائشہ عظیم جیسی محنتی، ہمدرد، دوستانہ، فرض شناس اور نہایت مشفق استادِ محترم کی محبت نصیب ہوئی۔ انھوں نے میرے لیے علم و ادب کی بہترین راہیں متعین کیں اور میری صلاحیتوں کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ رب تعالیٰ کا خصوصی کرم ہے کہ مجھے عظیم اُستاد کی رہنمائی میں عصر حاضر کے معروف مزاح نگار علی رضا احمد کی مزاح نگاری پر کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس سلسلے میں محترم علی رضا احمد کے شکریہ کے ساتھ ان کی طرف سے کی گئی خصوصی معاونت کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے جنھوں نے اپنے قیمتی لمحات میں سے وقت نکال کر مقالہ کے لیے ضروری معلومات فراہم کرتے رہے۔ میرے مقالے کی تکمیل میں ڈاکٹر عائشہ عظیم کا کردار اہمیت کا حامل ہے جنھوں نے لمحہ بہ لمحہ میری مدد کی اور انگلی پکڑ کر قدم قدم چلنا سکھایا۔ میرے الفاظ ان کے شکریہ کے مستحق نہیں مگر تہہ دل سے ان کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں، ان کے اہل وعیال اور اولاد کو دنیا و آخرت کی خیر اندیشیاں عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)۔

؎ اپنے استادوں کو پایا ہم نے مشفق مہربان
حق نے بخشے ہیں انھیں اوصاف میر کارواں

میں تہہ دل سے نہایت قابل احترام اساتذہ ڈاکٹر نائلہ انجم، ڈاکٹر نورین رزاق اور ڈاکٹر شبنم نیاز کی شکر گزار ہوں جنھوں نے میرے قلم کو رواں کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اگر میں آج اس قابل ہوں کہ کسی بھی ادبی شخصیت پر تحقیقی مقالہ لکھ سکوں تو یہ انھیں اساتذہ کے مرہونِ منت ہے۔ انھوں نے صرف علم بانٹا بلکہ تربیت کو نکھارنے میں معاون ثابت رہے۔ انھوں نے میرے تحقیقی مقالے کے متعلق مطلوبہ معلومات فراہم کرنے میں مثالی کردار ادا کیا۔ مجھے ناز ہے کہ انتہائی نفیس اور خوش اخلاق اساتذہ کی شاگردی کا موقع ملا۔ انھوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کو

بالائے طاق رکھ کر مفید اور کارآمد معلومات سے بہرہ مند کیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر دنیا و آخرت میں خاص رحمتوں کا نزول فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

دنیا میں اللہ کے انمول تحفوں میں سے ایک انمول تحفہ والدین کا ہے جو بغیر کسی حرص و ہوس کے اپنی اولاد کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔ تمام محبتیں سمیٹ کر میں اپنے والدین کی نہایت مشکور ہوں جنھوں نے مجھے قلم پکڑنا سکھایا۔ ان کی محبت اور حوصلوں نے مجھے لفظ ''پڑھنا'' سے روشناس کروایا۔ میری تمام تر کاوشیں انتہائی تگ و دو کے بعد بھی انھی کے دم سے ہے۔ جنھوں نے ہمیشہ ایک بہترین استاد ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین والدین ہونے کا فریضہ بھی انجام دیا۔ میں اپنی پیاری دادی ماں (مرحومہ) کی بے حد شکر گزار ہوں جن کی محبت نے مجھ پر اپنی گہری چھاپ چھوڑی۔ مجھے آج بھی یاد ہے جب میں چھٹی ساتویں کلاس میں تھی تو وہ کہانیوں اور قصوں کو اس انداز میں سناتی تھی کہ وہ آئندہ زندگی میں کارآمد ثابت ہوں گے۔ میری زیست کے ہر موڑ پر والدین کے ساتھ ساتھ دادی ماں کی دعائیں بھی شامل رہیں ہیں۔ میں اپنی بڑی پھوپھو شگفتہ تسنیم کی نہایت مشکور ہوں جنھوں نے اُردو ادب کو منتخب کرنے میں میری حوصلہ افزائی کی اور گاہے بگاہے معلومات مجھ تک فراہم کیں۔ وہ کہا کرتی ہیں کہ اُردو ادب سے کٹھن کوئی مرحلہ نہیں، اس کی نسبت M.B.B.S آسان ہے۔ یہ بہت حوصلے اور ہمت کی بات ہے کہ تم نے اُردو ادب کا انتخاب کیا۔ ان ہی کی حوصلہ افزائی سے آج میں نے اُردو ادب چار سالہ تعلیمی پروگرام کے اختتامی مراحل طے کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

یہ بے ذوقی کے مترادف ہوگا کہ اپنے پیارے برادرم و خواد ھرم (حافظ ابتسام احمد، ربیعہ عمیر اور رمشا فاطمہ) کا شکریہ ادا نہ کروں۔ میں اپنے بھائی اور بہنوں کی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے میرے حوصلوں کو مستحکم کیا اور میرے اب تک کے سفر میں معاون ثابت رہے۔ میری قابلیت کے رنگ انہی سے نکھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں دنیا و آخرت کے ہر امتحان میں کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرخرو کرے۔ (آمین)

رفیق و ہمدم شمائلہ کنول اور نور فاطمہ بے حد شکریے کی حق دار ہیں جنھوں نے تحقیقی مقالے

کے آغاز سے انجام تک مخلص دوست ہونے کا حق ادا کیا۔ انھوں نے نہ صرف میری رہنمائی کی بلکہ ہر مشکل مرحلے میں میرا ساتھ دیا۔ ان کے مخلص رویوں اور وفاداریوں نے میری زندگی کو رونق بخشی۔ ان کے ساتھ گزرا ہوا ہر لمحہ زیست کے بہترین اور یادگار لمحوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں خوش وخرم رکھے اور ان کے نصیب اچھے کرے۔ (آمین)

میں علی رضا احمد کی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے میرے تحقیقی مقالے میں بھرپور ساتھ دیا۔ مجھے جب بھی مقالے میں کوئی دشواری پیش آئی وہ ہمہ وقت میرے لیے محبت اور شفقت کا پیکر بنے رہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں، ان کے اہل وعیال اور اولاد کو خوش وخرم رکھے۔ (آمین)۔

میں اپنی منتظمہ میم صغریٰ کی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے میرے تحقیقی مقالے کے لیے سامان مہیا کیا۔ انھیں بے شمار تنگ کرنے کے باوجود بھی وہ میری مدد کرتی رہیں اور مقالے کے آخر حرف تک میرا ساتھ دیا۔ اللہ پاک انھیں ڈھیروں محبتوں سے نوازے۔ (آمین)

میری کلاس بے حد شکریے کی مستحق ہے جنھوں نے مجھے یادوں کا نایاب گلدستہ عطا کیا۔ انیقہ ایوب اس گلدستہ کا خاص پھول ہے جس نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی۔ ان کے ساتھ گزرا ہوا وقت زیست کے یادگار لمحوں میں سے ہے۔ ان کی خالص محبت نے میرے ذوق کو تقویت بخشی۔ اللہ تعالیٰ ان کے دامن کو خوشیوں سے بھر دے۔ (آمین)

آخر میں میں ایک ایسی شخصیت کی شکر گزار ہو جس نے میری زیست کو کلیوں کی سی مہک عطا کی۔ مجھے زندگی کا ساز سکھایا اور پُرنم آنکھوں میں مسکراہٹیں بکھیریں۔ اللہ تعالیٰ انھیں دنیا وآخرت کی بھلائیاں اور کامرانیاں عطا کرے۔ (آمین یارب العالمین)

یہ مقالہ میری پہلی تحقیقی کاوش ہے اور پہلی کاوش میں بے شمار غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ دعا گو ہوں کہ قارئین کو میری تحقیقی سعی پسند آئے اور اگر اس میں کچھ قابل تصحیح پائیں تو آگاہ کریں۔

ہادیہ سحر
(بی ایس، اُردو۔ لاہور کالج)

باب اول

سوانح

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے خاک سے انسان کو پیدا کیا اور پھر اس کو ان صلاحیتوں سے نوازا جس سے اپنے اندر کے تخلیق کار کا سراغ لگاتا ہے۔ ایسے انسان اپنے پختہ عزم اور اداروں کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتے ہیں۔ ان شخصیات کا یہی عزم انھیں عوام الناس کی نظروں میں محترم اور بارقار بنا دیتا ہے۔

ادب کی تاریخ ایسی ہستیوں سے بھرپور ہے، جنھوں نے کسی ایک صنفِ ادب کا انتخاب کیا اور پھر جوش وخروش اور محنت ومشقت سے اس صنفِ ادب کو مقامِ عروج تک پہنچایا۔

قیامِ پاکستان کے بعد ادب کی دنیا میں ہمارے ادیبوں، شاعروں نے مختلف اصنافِ ادب میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں کہ انھیں بین الاقوامی ادبی کارناموں میں فخر کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے۔ ادب کا یہ دریا رُکا نہیں ہے بلکہ یہ دریا بہتا چلا جا رہا ہے۔ یہ وہ پھول ہے جو ہمیشہ کھلا رہتا ہے، جس کی مہک میلوں تک محسوس ہوتی ہے یہ وہ ستارہ ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ چمکتا دمکتا رہتا ہے، جس کی روشنی کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔

جدید دور میں اُردو ادب کی جو نئی روشنی سامنے آئی ہے، ان میں سے ایک نام علی رضا احمد کا ہے۔ اُردو ادب کے اس مسافر نے اپنے ادبی سفر کا آغاز کارٹون تحریر کرنے سے کیا، لیکن قدرت نے ان سے مخلوقِ خدا میں مسکراہٹیں تقسیم کرنے کا کام لینا تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنا رخ طنز و مزاح کی طرف موڑ لیا۔ علی رضا احمد کارٹونسٹ ہیں، مزاح نگار ہیں اور شاعر بھی ہیں۔

علی رضا احمد یکم دسمبر ۱۹۶۳ء، ۱۳ رجب بروز اتوار کو ساہیوال میں پیدا ہوئے، علی رضا احمد

نے اپنے ایک انٹرویو میں اپنی پیدائش کے حوالے سے بتایا:

''ایک جنتری جس پر درج ہے کہ برخوردار علی احمد کے ہاں یکم دسمبر ۱۹۶۳ء کو، ۱۳ رجب بروز اتوار دوپہر دو بج کر دس منٹ پر بیٹا پیدا ہوا۔ یہ جنتری میرے والد صاحب نے بہت سنبھال کر رکھی بعد ازاں یہ جنتری میرے ہاتھ لگ گئی۔''۱؎

اس جنتری کے لحاظ سے ان کی تاریخ پیدائش میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ان کے والد صاحب کا نام علی احمد صابری ہے۔بقلم بے خود میں علی رضا احمد رقم طراز ہیں:

''میرے والد علی احمد صابری کی پیدائش بھی یکم دسمبر ۱۹۳۰ء بروز اتوار ہی کو ہوئی لیکن عادات اپنی اپنی ہیں۔''۲؎

ان کی والدہ محترمہ کا نام جمیلہ کشور ہے۔ان کے تین بھائی اور دو بہنیں ہیں۔بہن بھائیوں میں وہ سب سے بڑے ہیں۔ان کے بھائی علی ضیا احمد موبی لنک میں کام کرتے ہیں جبکہ علی عطا احمد بسلسلہ روزگار کچھ عرصہ بیرون ملک (U.K) رہے۔اب وہ ساہیوال میں رہائش پذیر ہیں۔ جبکہ سب سے چھوٹے بھائی علی ذکاء احمد گارمنٹس کا کاروبار کرتے ہیں۔علی رضا احمد کی دو بہنیں عالیہ اور شازیہ گھریلو خواتین ہیں اور خوش گوار زدواجی زندگی گزار رہی ہیں۔ان کے سب عزیز بہن بھائی ساہیوال اور راولپنڈی ہی میں رہائش پذیر ہیں۔

ساہیوال پنجاب کا ایک خوب صورت اور سرسبز و شاداب شہر ہے۔اس کا پرانا نام منٹگمری تھا۔ یہاں ساہی قوم کی اکثریت کی وجہ سے نام ساہیوال ہوا۔۳؎ ساہیوال ڈویژن پاکستان کے صوبہ پنجاب کی نو ڈویژنوں میں سے ایک ہے۔ ۱۹۹۸ء تک، ساہیوال کے موجودہ خطوں کی مجموعی آبادی ۲۴۷،۲۷۱،۱۶ افراد پر مشتمل ہے، جس کی سالانہ شرح نمو ۱.۹۲ فیصد ہے۔۴؎ ۲۰۰۸ء کے بعد سے، ضلع ساہیوال اوکاڑہ کے ساتھ ضلع اور پاکپتن ضلع ساہیوال ڈویژن پر مشتمل ہے۔ساہیوال کے حوالے سے ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیق و جستجو کے نتائج کے مطابق کہا جاتا ہے کہ:

''یہ شہر زمانہ قبل مسیح سے انسانوں کی آبادی چلا آرہا ہے لیکن مختلف ادوار میں تباہ و برباد ہوتا رہا۔ صدیوں پرانے کھنڈرات، ٹبے، ٹیلے، بھڑ و دیگر آثارات قدیمہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ خطہ بار بار آباد ہوا اور تباہ ہوا تاہم شہر ساہیوال تقریباً ۵۷۰ سال پہلے آباد ہوا۔''۵؎

ساہیوال بہت گنجان آباد شہر ہے جو دو دریاؤں راوی اور ستلج کے درمیان آباد ہے۔ اس شہر میں میلے بھی لگا کرتے ہیں۔ اس حوالے سے کہا جاتا ہے کہ:

''ضلع ساہیوال میں ایک دن بہت بڑا میلہ کمیر لگتا ہے جس میں پورے ساہیوال کو ایک دن کی سرکاری چھٹی ہوتی ہے۔ ساہیوال میں میلہ کمیر مقامی سطح پر ہونے والے تمام عرس میں سب سے بڑا عرس مانا جاتا ہے۔ جس میں لاکھوں سے زائد زائرین شرکت کرتے ہیں۔''۶؎

ضلع ساہیوال پنجاب کے دوسرے اضلاع کی مانند زرعی ضلع ہے جہاں مختلف فصلیں کاشت کی جاتی ہیں۔ اس کا شمار پاکستان کے زرخیز ترین اضلاع میں ہوتا ہے جہاں ہر قسم کی فصل کاشت کی جاتی ہے۔ تفریح اور جھولوں کے افسانے نے ساہیوال کو مزید خوبصورت بنایا۔ ساہیوال کی بھینسیں پورے پاکستان میں مشہور ہے اس کے علاوہ اتفاق شوگر ملز، اینگرو وغیرہ بھی ساہیوال میں ہیں۔

علمی و ادبی شخصیات کا ذکر کیا جائے تو ساہیوال شہر نے کئی ادبی شخصیات کو بڑا کیا ہے جنھوں نے نہ صرف علمی فیض اٹھایا بلکہ ادب کی دنیا کو بھی روشن کیے رکھا ہے۔ ادبی شخصیات کے متعلق درج ہے کہ:

''ساہیوال کی علمی و ادبی شخصیات میں منیر نیازی، طارق عزیز، دلدار پرویز بھٹی، مجید امجد، ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم، کنور مہیندر سنگھ بیدی اور جعفر شیرازی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے لکھاریوں میں کاشف بشیر کاشف، اختر سردار چودھری، راشد فاروق بٹ، بدر سیماب، بزاد

جاذب، سلمان بشیر، وحید رضا عاجز، امر علی اور پروفیسر شاہد رضوان بھی ساہیوال کو ادبی دنیا میں روشناس کروایا۔'' ۷؎

خاندانی پس منظر:

علی رضا احمد کے آباؤ اجداد کا حسب نسب عرب کی سرزمین سے ملتا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد عرب سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ اس حوالے سے علی رضا احمد اپنے انٹرویو میں کہتے ہیں کہ:

''میرے آباؤ اجداد سن ۱۷۹۰ء میں عرب سے ہجرت کر کے کوٹری سندھ میں آباد ہوئے۔ قرین القیاس یہی ہے کہ محمد بن وہاب کی پھیلائی ہوئی سورش اور مسلمانوں کا قتل عام ہجرت کا باعث بنا ہوگا۔ کوٹری میں عرصہ چالیس سال قیام کرنے کے بعد میرے پردادا غلام قادر احمد کے دادا حاجی علی اکبر مشرقی پنجاب کے شہر جالندھر چلے آئے یہاں انہوں نے تشریف لا کر اس وقت کے لتے پٹے شاہی مغل خاندان میں شادی کی۔ لہٰذا میری رگوں میں مغلیہ اور عرب خون کی ملاوٹ غالب ہے۔'' ۸؎

علی رضا احمد کے پردادا جی غلام قادر احمد محکمہ انہار میں سرویئر تھے۔ ۱۹۰۷ء میں جب ساہیوال میں نہر لوئر باری کا کام جاری تھا ان کا ٹرانسفر ساہیوال میں ہو گیا۔ ۱۹۱۴ء میں جب نہر مکمل ہوئی تو انھی دنوں پردادا جی بھی ریٹائر ہو گئے اور ان کے خاندان نے شہر ساہیوال میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ ان کے دادا جی سلطان احمد گھڑی ساز تھے۔ ۱۹۱۴ء میں ساہیوال کے پاکپتن بازار میں گھڑیوں اور کیمروں کی دکان کھولی۔ علی رضا احمد کے چچا نذیر احمد صاحب کی بھی ادب سے وابستگی تھی اور ان کی چند اسلامی کتب بھی منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ علی رضا احمد نے دینی اور مذہبی گھرانے میں پرورش پائی۔ اس حوالے وہ لکھتے ہیں کہ:

''میرا خاندان نہایت مذہبی ہے۔ میرے دادا چشتیہ صابریہ سلسلے کے خلیفہ تھے۔ وہ رام پور کے حضرت شاہ محمد حسن کے ہاتھ پر بیت تھے۔

بعد میں ان کے فرزند حضرت شاہ عارف حسن کے ہاتھ بیت ہو گئے اور انھوں نے انھیں خرقہ وخلافت سے سرفراز کیا۔ ہر سال ۱۳ ربیع الاول کو ہمارے ہاں عرس منعقد ہوتا، صبح قرآن خوانی نعت شجرہ پڑھا جاتا۔ ایک دو دن پہلے تندور لگا کر لنگر کا انتظام کیا جاتا اور شام کو محفل سماع منعقد ہوتی۔ دادا جان دیگر وظائف کا اہتمام کرتے اور میں انھیں کنکھیوں سے دیکھتا رہتا۔ 1976ء میں بھی ان کا مرید ہو کر سلسلہ چشتیہ میں بندھ گیا تھا۔''۹؎

ان کے نانا جی عظمت اللہ شیخ پاکستان ریلوے راولپنڈی میں ملازم تھے۔ انھوں نے جالندھر سے لاہور ہجرت کی اور کیمپوں میں رہے۔ ہجرت کا زمانہ ایک مشکل دور تھا لوگوں کو جہاں دیگر مسائل کا سامنا تھا وہیں وبائی امراض بھی کسی آفت سے کم نہ تھی۔ ان کے نانا کو لاہور پھیلنے والی بیماری ہیضہ کے باعث کئی عزیز واقارب کے جسد کو کندھا دینا پڑا۔

بچپن:

علی رضا احمد کا بچپن ناز ونعم میں گزرا۔ وہ بچپن ہی سے شرارتی ہیں۔ ان کے بچپن کے دوست اظہر سعید انور عرف ککا ان کے بارے میں بتاتے ہیں کہ:

''ہم دونوں ہی بہت شرارتی تھے لیکن علی رضا احمد شرارت میں ہمیشہ پہل کرتے تھے۔ ان کا پسندیدہ مشغلہ لوگوں کے گھروں کی گھنٹی بجا کر دوڑ لگا دینا تھا۔''

لڑکپن میں جو بچے زیادہ شرارتی ہوتے ہیں، آنے والی زندگی میں وہی ترقی کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ علی رضا احمد بھی اپنے بچپن میں بہت شرارتی تھے۔ وہ گھنٹی بجا کر بھاگنے کے علاوہ پتنگ بازی کے بھی شائق تھے۔ علی رضا احمد اعلیٰ پایہ کے ادیب، مزاح نگار، کالم نگار اور شاعر ہیں۔ پتنگ بازی کے یادگار واقعہ کو بقلم بے خود میں بیان کرتے ہیں کہ:

''دوسری جماعت میں گھر کی پتنگ کے چکر میں پہلی دفعہ گرا، ہوش آنے پر

معلوم ہوا گھر پر ہی ہوں اور شکر ادا کیا کہ ہسپتال سے جان چھوٹی، گھر والوں کے صبر کی داد دینا ہوگی کہ میں نے تین گھنٹے بے ہوشی کے عالم میں مست گزار دیے اور باقی سب لوگ ہوش وحواس میں اپنے امور میں سر گرم رہے۔''۱۱؎

تعلیم:

علی رضا احمد نے ادبی ماحول میں آنکھ کھولی۔ان کا گھر مذہبی تھا۔ پانچ سال کی عمر میں پہنچے تو ان کے والد صاحب کے شاگرد رانا جاوید احسن نے انھیں پڑھانا شروع کیا چنانچہ علی رضا احمد کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی سے شروع ہوئی۔ وہ اپنے استاد کو چچا رانا جاوید احسن کہا کرتے تھے،ان کے بارے میں علی رضا احمد لکھتے ہیں کہ:

''رانا جاوید احسن پروقار شخصیت کے مالک تھے۔ان کی لکھائی بھی ان کی شخصیت کی طرح بہت خوب صورت تھی۔انھوں نے میری ابتدائی تعلیم پر بڑی جانفشانی سے محنت کی اور کند ذہن کو کندن بنانے میں کردار ادا کیا۔''۱۲؎

علی رضا احمد کو دینی اور اخلاقی تربیت والدین سے مل چکی تھی جبکہ علمی اور ادبی تربیت ان کے استاد نے کی۔ان کے والد کو جب ان کی تعلیم کی فکر لاحق ہوئی تو وہ علی رضا کے لیے یونی فارم اور کتابوں کا اہتمام کرنے لگے اور اس کے بعد انھیں سکول داخل کروانے لے گئے۔سکول کا پہلا دن یاد کرتے ہوئے علی رضا احمد رقمطراز ہیں:

''پہلے دن یعنی اپریل ۱۹۶۸ء میں مجھے چار لوگ پانچواں میں خود حامل ہذا اپنی جماعت کے کمرے میں داخل ہوئے تو اس وقت استاد نے ایک بچے کو دبوچ رکھا تھا۔ میں یہ منظر دیکھتے ہی وہاں سے بستہ،تختی اور سیاہی دوات جو میرے ہاتھ میں تھی ادھر اُدھر پھینک کر وہاں سے بھاگ گیا میں نے تو نئے بوٹ پہننے ہوئے تھے لیکن میرے پیچھے بھاگنے والوں کے

جوتے اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ میں ان کے ہاتھ نہیں آیا ہوں گا اور شاید ''پریس کانفرنس'' میں یہ اعلان بھی کر دیا کہ میں کبھی نہیں پڑھوں گا۔''[۱۳]

علی رضا احمد نے ۱۹۷۹ء میں گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ان کی اس کامیابی پر گھر والے بے حد خوش تھے۔ میٹرک کے امتحانات کے بعد ۱۹۸۱ء کے آخر میں ساہیوال ہی میں آئی کام انٹر کا امتحان پاس کیا۔ انھوں نے ۱۹۸۵ء میں لاہور سے بی۔کام کا امتحان پاس کیا۔ اس زمانے میں بی کام صرف لاہور ہی سے ہوتا تھا۔ جس کے لیے وہ لاہور ہوسٹل میں منتقل ہو گئے۔ انھوں نے ۱۹۹۸ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے سیاسیات میں ایم۔اے کیا۔

ملازمت:

علی رضا احمد نے اپنی ملازمت کا آغاز ۱۹۸۷ء میں سول ایوی ایشن اتھارٹی آف پاکستان ملتان سے کیا۔ بی کام کرنے کے بعد مختلف اداروں میں ملازمت کے لیے درخواستیں دیں۔ جن میں اسٹیٹ بنک آف پاکستان اور پاکستان ٹیلی ویژن سرفہرست ہیں۔ لیکن اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ انھوں نے ۱۹۸۷ء میں سول ایوی ایشن اتھارٹی کا پہلا انٹرویو دیا اور کامیاب قرار پائے۔ ان کی پہلی پوسٹنگ بطور اکاؤنٹینٹ ملتان میں ہوئی۔ علی رضا احمد نے آٹھ سال ملتان میں تعینات رہے وہاں اِن کی خواہش تھی کہ ان کا ٹرانسفر لاہور ہو جائے لیکن ۱۹۹۵ء میں انھیں گوادر جانے کا حکم نامہ ملا۔ سات سال تک گوادر میں ملازمت کرتے رہے۔ بالآخر ۲۰۰۲ء میں لاہور ٹرانسفر ہو گئی اور اب سول ایوی ایشن لاہور ہی میں انیسویں گریڈ میں سنیئر جوائنٹ اکاؤنٹینٹ کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ علی رضا احمد کا شمار ان شخصیات میں ہوتا ہے جو اپنے کام کو ایمان داری سے کرتے ہیں اور طے شدہ تنخواہ کو رزق حلال سمجھتے ہیں۔[۱۴]

ازدواجی زندگی:

علی رضا احمد کی زوجہ کا نام ''نبیلہ علی رضا'' ہے۔ انھوں نے بی۔اے تک تعلیم حاصل کی۔

ابھی ایک پرچہ باقیتھا کہ دسمبر ۱۹۹۳ء میں علی رضا احمد کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھ گئیں۔ان کی شادی خاندان سے باہر والدین کی مرضی سے ہوئی۔علی رضا احمد اپنی زوجہ محترمہ کے بارے میں اپنے انٹرویو میں کہتے ہیں کہ:

''ایک خوش اخلاق اور بہترین عادات خصائل کی خاتون ہیں۔انھیں بھی ادب سے لگاؤ ہے۔بعض اوقات میرے مضامین میں میری رہنمائی بھی کرتی ہیں اور اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں۔''۱۵؎

نبیلہ علی رضا،ان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ:

''ایک بہت اچھے مزاج کے انسان ہیں اور بے حد خیال رکھنے والے شوہر ہیں۔جس طرح لوگوں کے ساتھ خوش باش رہتے ویسے ہی گھر پر ہیں۔انھوں نے شوہر، بیٹے اور بھائی کا فرض بخوبی نبھایا ہے اور خیال رکھا ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہونے دوں۔ایک باپ، بیٹا جتنا اپنے گھر والوں کے لیے کرسکتا ہے اس سے بڑھ کر علی رضا احمد صاحب نے فرض ادا کیا ہے اور اپنی زندگی رزقِ حلال ہی میں بسر کرتے ہیں۔''۱۶؎

اولاد:

علی رضا احمد کی اولاد میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔سب سے بڑا بیٹا ''فائق علی رضا'' ہے، جو کمپیوٹر سائنس میں بی۔ایس کرنے کے بعد ارفع کریم ٹاور میں ملازمت کر رہے ہیں۔انھیں بچپن ہی سے موسیقی کا شوق تھا۔دسویں جماعت میں علی رضا احمد نے انھیں گٹار لے کر دیا اور اب وہ موسیقی میں ماہر ہو گئے ہیں۔ان کے دوسرے بیٹے ''خلدون علی رضا'' ہیں۔جنھوں نے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی (G.C.U) سے الیکٹریکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی اور گزشتہ سال سے ایڈسلز ایڈورٹائزنگ (Adsells Advertising) میں ملازمت کر رہے ہیں اور اب اسی ادارے میں الیکٹریکل اسسٹنٹ منیجر کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ان کی بڑی بیٹی کا نام ''ماہ یمین آمنہ'' ہے، جو یونیورسٹی آف لاہور سے Bachelor of Dietetics &

Nutritional Sciences میں پانچ سالہ ڈگری حاصل کر رہی ہیں۔علی رضا احمد کی سب سے چھوٹی بیٹی ''ماہ نور فاطمہ'' انٹرمیڈیٹ سال اول کی طالبہ ہے۔اولاد کے حوالے سے علی رضا احمد ایک منصفانہ باپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔جس طرح روایتی والدین میں ماں اپنے بیٹوں سے پیار کرتی ہے اور باپ بیٹیوں سے محبت کرتے ہیں،اسی طرح علی رضا احمد بھی اپنی بیٹیوں سے بے حد پیار کرتے ہیں۔اس بات کی وضاحت وہ اپنے انٹرویو میں یوں کرتے ہیں:

''ویسے تو مجھے اپنے سب بچوں سے محبت ہے لیکن مجھے اپنی بیٹیاں بے حد عزیز ہیں۔''۱۷؎

اسی حوالے سے خلدون علی رضا اپنے انٹرویو میں بتاتے ہیں:

''میرے والد صاحب سب بچوں کو اہمیت دیتے ہیں لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ انھیں ماہ یمین آمنہ سے خاص اُنسیت ہے۔بعض اوقات والد صاحب ہماری کچھ باتوں کو نظر انداز کر جاتے ہیں لیکن بیٹیوں کو اول درجے پر رکھتے ہیں۔''۱۸؎

نبیلہ علی رضا نے بتایا کہ علی رضا صاحب نے بطور باپ اپنے تمام فرائض بخوبی سرانجام دیے ہیں۔خاص طور پر انھوں نے دینی اور دنیاوی تعلیم کے حوالے نہایت توجہ سے کام لیا اور بچوں کی عملی زندگی کے حوالے سے انھیں مکمل آزادی دی۔وہ جو شعبہ منتخب کرنا چاہے کر سکتے ہیں بلکہ علی رضا احمد صاحب خود بچوں کے ساتھ مل کر بچے بن جاتے ہیں اور ان کے کھیل میں برابر کے شریک ٹھہرتے ہیں۔

مشاغل:

علی رضا احمد کو شعر و ادب سے بے حد لگاؤ ہے۔کتابیں پڑھنے کے بے حد شوقین ہیں۔انھوں نے سب سے پہلی کتاب قیوم اعتصامی کی محمد علی (باکسنگ لیجنڈ) لائبریری سے لے کر پڑھی۔اس کے علاوہ لکھنے کا بھی شوق ہے۔فارغ وقت میں کھیل کھیلتے ہیں۔کھیلوں میں ہاکی سب سے زیادہ پسند ہے۔خلدون علی رضا ان کے بارے میں کہتے ہیں:

''میرے والد صاحب تخلیقی کام کے علاوہ کھیلوں کے بھی شائق ہیں خصوصاًہا کی ان کا پسندیدہ کھیل ہے۔اس کے علاوہ فارغ وقت میں نشانہ بازی، بیڈمنٹن، کرکٹ، تیراکی ان کے پسندیدہ مشاغل ہیں۔خود بھی کھیلتے ہیں اور ہمیں بھی ساتھ کھلاتے ہیں علاوہ ازیں روز شام میں ہمیں نشانہ بازی سکھاتے ہیں۔''۱۹؎

علی رضا احمد موسیقی کے بھی شوقین ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ موسیقی مجھے میرے آباؤ اجداد سے ملی ہے چونکہ ہمارے گھر میں عرس کے موقع پر قوالی ہوا کرتی تھی اور موسیقی کی رمز کو سمجھنے والے قوال اس میں شرکت کرتے تھے اسی لیے بچپن سے موسیقی کا عنصر بھی ان کی ذات کا حصہ ہے۔

ادبی زندگی کا آغاز:

ادب شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

''ہر وہ چیز جو متخیلہ کی حامل ہوتی ہے ادب کہلاتی ہے۔''۲۰؎

اس تعریف پر نظر ثانی کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسانی سوچ کا دائرہ کار جس قدر وسیع ہوگا اس کا ادب پر مشاہدہ بھی وسیع تر ہوگا۔ ہر انسانی دماغ متخیلہ کا حامل ہوتا ہے۔انسان اپنی تخیلانہ دنیا میں کھوئے ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے حالات و واقعات کے پیش نظر مستقبل کی ڈگر پر گامزن رہتا ہے۔شاعر یا ادیب حساس طبیعت کے مالک ہوتے ہیں اس لیے ان کا تخیل پختہ ہوتا ہے۔وہ دنیا کو اس نظر سے دیکھنے کی بصیرت رکھتے ہیں جو عام انسان کی پہنچ سے دور ہے۔اگر ایک مزاح نگار کی حیثیت سے دیکھا جائے تو وہ اپنے اردگرد کے حالات و واقعات اور ماضی میں پیش آنے والے حادثات کو نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ ان سے موضوعات لیتا ہے اور پھر ان موضوعات کو طنز کے پیرائے میں ڈھالتا ہے۔

علی رضا احمد نے اپنے ادبی سفر کا آغاز شعر و شاعری سے کیا۔۱۹۸۰ء میں انھوں نے بے وزن شاعری کرنا شروع کی لیکن انھوں نے اپنے عزیز و اقارب اور دیگر لوگوں کی تنقید سے دل برداشتہ ہونے کی بجائے اپنے اس شوق کو جاری رکھا اور بالآخر ایک اچھے شاعر ثابت ہوئے۔

شاعری میں وہ اپنی اصلاح معروف استاد الف ۔ د۔ نسیم سے لیتے رہے۔ ڈاکٹر الف ۔ د۔ نسیم پاکستان میں اُردو ادب کے پہلے Ph.D اسکالر تھے جنھوں نے اُردو ادب میں بے شمار خدمات سرانجام دیں۔ الف د نسیم نے ساہیوال میں نوجوانوں کی ایک پوری نسل کی تربیت کی۔ ان کی شخصیت کی بہت ساری جہتیں ہیں۔ الف ۔ د۔ نسیم ایک بالغ نظر محقق، ذہین نقاد اور معروف اقبال شناس تھے۔ الف ۔ د۔ نسیم دورِ عصر حاضر کے معروف استاد، شاعر، نقاد اور محقق پروفیسر ڈاکٹر سعادت سعید کے والد تھے۔ ڈاکٹر سعادت سعید (G.C.U) گورنمنٹ کالج یونیورسٹی میں پروفیسر اور صدر شعبہ اُردو بطور پروفیسر مذکورہ یونیورسٹی سے وابستہ ہیں۔ علاوہ ازیں، آپ القرہ یونیورسٹی، ترکی میں اُردو پاکستان اسٹڈیز چیئر سے بھی منسلک رہے۔ علی رضا احمد نے بھی الف۔ د۔ نسیم کے زیر سایہ ۱۹۹۷ء میں شاعری کا باقاعدہ آغاز کیا۔ پہلی غزل الساغر ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی۔ اس حوالے سے علی رضا احمد رقم طراز ہیں:

> ''سنجیدہ شاعری تو کئی دفعہ شروع کر کے بند کر دی تھی۔ ۱۹۸۰ء میں غزل کے چند بے وزن اشعار سے شروع کی تھی پھر ۱۹۹۶ء میں باقاعدہ آغاز ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم کی شفقت اور زیر سایہ شروع کیا..... ورنہ پہلے دوستوں میں بیٹھ کر (صرف وقتی طور پر) فلمی گانوں کی پیروڈی کی جاتی تھی۔''۲۱؎

علی رضا احمد خداداد صلاحیت کے مالک ہیں۔ مزاح نگاری ان کی طبیعت کا حصہ ہے۔ وہ شروع ہی سے مزاح کو محسوس کرتے تھے بالآخر انھوں نے اپنے مزاح کو عملی شکل ۱۹۸۵ء میں کارٹون نویسی کی صورت میں دی اور ان کا یہ کارٹون فیصل آباد کے رسالے روزنامہ پیغام میں شائع ہوا تھا۔ یہ ان کی پہلی پرنٹ کاوش تھی۔ ۲۲؎

علی رضا احمد نے مزاح نگاری کا باقاعدہ آغاز گوادر میں کیا۔ چونکہ گوادر ایک خاموش علاقہ تھا اور اپنی خاموشی کے بند کو توڑنے کے لیے مزاح کا سہارا لیا۔ ان کے مزاحیہ مضامین کا پہلا مجموعہ دھجی آں ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے کالم نگاری کو بھی اپنایا مگر جلد

ہی یہ سلسلہ ترک کر دیا۔ ان کا پہلا کالم نوٹس بورڈ ۸ مئی ۲۰۰۱ء میں لاہور میں روزنامہ انصاف میں شائع ہوا۔

علی رضا احمد کی تحریر دھجی آں پر سب سے پہلا کالم غضنفر ہاشمی نے لکھا جو کہ راولپنڈی روزنامہ اساس میں شائع ہوا۔ ان کے مضامین کے شائع ہونے کا آغاز سن ۲۰۰۰ء میں انوپ فیصل آباد سے ہوا۔ علی رضا احمد نے مزاح کے علاوہ مختلف موضوعات پر بھی خامہ فرسائی کی جو کہ روزنامہ دنیا سے شائع ہوتے رہے۔

تصانیف:

علی رضا احمد نے تقریباً ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن اب تک ان کی پانچ کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ ان کے علاوہ چھ تصانیف زیرِ طبع ہیں۔

-i دھجی آں

-ii ایرے غیرے

-iii مزاح راہ

-iv مزاح مین

-v رضا کاریاں (زیرِ طبع)

-vi خشک آنکھیں

-vii طیبہ کی گلی (زیرِ طبع)

-viii مزاحِ مسنونہ (زیرِ طبع)

-ix گردومزاح (زیرِ طبع)

-x دھینگا مشتی (زیرِ طبع)

-xi علامتیں (زیرِ طبع)

علی رضا احمد کی آٹھ تصانیف طنز و مزاح پر مشتمل ہیں جبکہ دیگر تین تصانیف شعر و شاعری پر ہیں۔ ان کی کتاب خشک آنکھیں غزلوں کا مجموعہ ہے جو کہ شائع ہو چکا ہے جبکہ طیبہ کی گلی ان کا

نعتیہ مجموعہ ہے۔موصوف کی تصنیف علامتیں غزلیات پر مشتمل ہے۔

شخصیت

بیابانِ وقت میں کئی نقوش اُمڈتے اور گھٹتے چلے جاتے ہیں۔گزرتے لمحات کے ساتھ ساتھ کئی نقوش سات پردوں میں چھپا دیے جاتے ہیں۔ ہر آنے والے لمحات میں ان شخصیات کو سند عطا کی جاتی ہے اور یہ قافلہ اسی تسلسل سے رواں دواں رہتا ہے کہ اس میں نئے مسافر شامل ہوتے چلے جاتے ہیں۔اسی قافلہ زیست میں سے چند شخصیات زندگی کی ناہمواریوں کی رہبری اور رہنمائی کے لیے چن لی گئی ہوتی ہیں۔انھی میں ایک شخصیت علی رضا احمد صاحب کی ہے۔جنھیں قافلہ طنز ومزاح کی رہنمائی کا فریضہ سونپا گیا ہے۔

علی رضا احمد وجیہ شخصیت کے مالک ہیں۔وہ بنیادی طور پر صاف گو انسان ہیں۔ان کے دل میں منافقت اور مزاج میں ریاکاری نہیں ہے۔ وہ سب کے ساتھ صاف ستھرے انداز میں تعلقات رکھتے ہیں۔علی رضا احمد سادہ، مہمان نواز، اچھے اور بہترین میزبان، بناوٹ سے مبرا، بہترین دوست، خوش اخلاق اور احترام کرنے والے شخص ہیں۔فطرتِ سادگی ان کی شخصیت کا حسن ہے۔ان کی شخصیت میں وضع داری اور خدمت گزاری ہے۔ان کے بیٹے خلدون علی رضا ان کی شخصیت کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''میری نظر میں میرے والد صاحب کی شخصیت ایسی ہے کہ جس کی اگر میں نقل کرسکوں تو دنیا وآخرت دونوں میں کامیاب ہوجاؤں۔بچپن سے اب تک میں نے اپنے والد صاحب کو ایکنہایت ذمہ دار انسان دیکھا ہے۔وہ نہایت خدمت گزار انسان ہیں۔ ہر چیز کو تسلسل سے لے کر چلتے ہیں چاہے گھر کی محفل ہو یا دوستوں کی ان کی شخصیت میں وضع داری اور خوش اخلاقی نمایاں ہے۔''۲۳؎

کسی بھی انسان کا حلقہ احباب ہی اس کی حقیقی شخصیت کا بہترین عکاس ہوتا ہے۔اس لحاظ

سے اگر علی رضا احمد کی صحبت یاراں کا تذکرہ کیا جائے تو بلاشبہ ان کے صالح کردار سے صرفِ نظر کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ وہ ایک ہمہ شخصیت ہیں جنھوں نے اپنی زندگی علم و ادب کے لیے بھی وقف کر رکھی ہے۔ ان کے دوست ملک سلمان صاحب اپنے انٹرویو میں بتاتے ہیں:

''علی رضا احمد کی شخصیت، وہ لاجواب شخصیت ہے جو اعلیٰ صفات کی حامل کہی جا سکتی ہے۔ ان میں کوئی عیب و ریاکاری نہیں ہے۔ مزاح کا رنگ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے، ہر چھوٹی سے چھوٹی بات میں مزاح کا پہلو نکال لیتے ہیں۔ بے حد پیار کرنے والے ہیں، ملنسار ہیں اور ہر طبقے کے فرد کا خیال رکھنے والے ہیں۔''۲۴؎

علی رضا احمد کا فطری انداز، عاجزی و انکساری، دھیما لہجہ، انسانیت کے لیے سوز دل قابلِ تحسین ہے۔ ان کی شخصیت بہت ہی سادہ ہے۔ ان کی فطرت میں سادگی، شخصیت کا حسن ہے۔ سادہ لباس، سادہ کھانا غرض سادگی کا مکمل لباس اوڑھے ہوئے ہیں۔ علی رضا احمد کھانے کے شائق ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ امرا کی طرح متنوع اور لذیذ کھانے کے دلدادہ ہیں بلکہ جو کھانے کی میز پر موجود ہو خوش ہو کر کھا لیتے ہیں۔ ان کی زوجہ محترمہ بتاتی ہیں:

''علی رضا احمد نہایت سادہ شخصیت کے مالک ہیں۔ لباس میں بھی سادگی ہے۔ بناوٹ سے مبرا ہیں۔ دین اور ادب دونوں سے بے حد تعلق ہے۔ سادہ طبیعت کے مالک ہیں اور کھانے میں بھی سادگی ہے۔ گوشت والی ہر چیز بہت پسند ہے لیکن گھر میں جو بھی موجود ہو شوق سے کھا لیتے ہیں۔''۲۵؎

علی رضا احمد کی شخصیت کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ ان میں بناوٹ نہیں اور نہ کسی سے بغض رکھتے ہیں۔ وہ دوستانہ شخصیت رکھنے والے ہیں اور ان کا مزاج اچھا ہے۔ کوئی بھی شخص ان سے پہلی بار ملتا ہے تو ان کی شخصیت سے مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کی شخصیت اس بات کی غماز ہے کہ وہ ایک خوش اخلاق اور ہنس مکھ انسان ہیں ان کے ناشر دوست شیخ صدیق (القمر) علی

رضا احمد کی شخصیت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ:

''علی رضا احمد صاحب اچھے، خوش مزاج اور ملنسار انسان ہیں۔ ان کی شخصیت میں سنجیدگی بھی شامل ہے لیکن دورانِ گفتگو مزاح کا رنگ بھی ڈال دیتے ہیں۔ ان کا حلقہ احباب ایک ادبی حلقہ ہے۔ جو کوئی بھی ان سے ملتا ہے جلد ہی علی رضا صاحب کی شخصیت میں گھل مل جاتا ہے اور ان کے محفل سے لطف اندوز ہوتا ہے۔''۲۶؎

اسی حوالے سے علی رضا احمد کے بیٹے خلدون علی رضا اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''میرے والد صاحب پروقار شخصیت کے مالک ہیں۔ میرے دوست احباب کی نظر میں علی رضا احمد صاحب سنجیدہ اور غصیلے شخصیت کے مالک ہیں لیکن ان سے ملنے کے بعد وہ اپنے خیالات بدل لیتے ہیں اور ایسا محسوس کرتے ہیں کہ ان سے اچھا اور بہترین مزاج کسی کا نہیں ہوگا۔ ان کی شخصیت بالکل دوستانہ ہے، ہر ایک سے دوستی کا جذبہ کارفرما رکھتے ہیں۔''۲۷؎

علی رضا احمد کی خوش طبعی، شگفتگی اور بلند اخلاق کی بدولت ان کا حلقہ احباب کا دائرہ وسیع ہے۔ جو ان سے ایک بار ملتا ہے تو انھی کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسی وجیح شخصیت کے مالک ہیں کہ ہر کسی کے دل میں گھر کر جاتے ہیں۔ وہ دوستی میں ہمدرد دوست اور نہایت مخلص ہیں۔ کسی بھی بات سے وہ دوستی کے تعلقات کو خراب نہیں ہونے دیتے۔ ان کے بچپن کے دوست ''اظہر سعید انور'' کہتے ہیں:

''علی رضا احمد میرا بہترین دوست ہے۔ وہ اپنے مزاج میں اکلوتا ہے۔ اس جیسا دوست قسمت والوں کو ملتا ہے۔ اسے میں اتنے اچھے طریقے سے جانتا ہوں جتنا خود کو بھی نہیں جانتا۔ دنیا میں اتنی بہترین دوستی کی مثال

نہیں ہے۔علی رضا احمد کی شرارتیں میں اپنے بیٹے کے اندر دیکھتا ہوں۔ اسطرح میرا دوست ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔آج بھی ہم گھنٹوں باتیں کرتے ہیں اور لوٹ پوٹ ہوتے ہیں۔علی رضا صاحب ہر بات کو مزاح کا رنگ دیتے ہیں اور سنجیدہ بات میں سے بھی مزاح کا عنصر نکال لیتے ہیں۔ہم میں اکثر سیاست کی بحث ہو جایا کرتی ہے لیکن کبھی دوستی کے تعلق پر اثر نہیں پڑنے دیا۔مہمان نواز اور ملنسار ہیں۔ خیال رکھنے والے ہیں، دوستی کی خاطر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔بناوٹ اور تصنع سے مبرا ہیں۔''۲۸؎

بلاشبہ علی رضا احمد دوستانہ شخصیت کے مالک ہیں، یہ دوستانہ تعلقات وہ اپنی اولاد کے ساتھ بھی قائم کیے ہوئے ہیں۔ان کی شخصیت کا خاص اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ دوستوں کے علاوہ گھر پر بھی دوستانہ شخصیت کو اپنائے ہوئے ہیں۔روایتی والد کی طرح ہر گز نہیں ہیں کہ ہر وقت غصہ ہوں، سنجیدہ ہوں بلکہ نہایت مشفقانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ان کی زوجہ محترمہ نبیلہ علی رضا اپنے انٹرویو میں کہتی ہیں:

''ان کے اپنی اولاد کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں۔کبھی انھوں نے کوئی زبردستی نہیں کی بلکہ ہر چیز کی آزادی دی ہے کہ جو چاہے پڑھائی کریں۔ جس طرح زندگی گزارنی ہے، جو کام کرنا ہے اپنی خوشی سے کریں۔لیکن ایسا نہیں ہے کہ ان سب سے بالکل ہی غافل ہو جائیں۔ ہر چیز کا مکمل خیال رکھتے ہیں۔سب بچے آسانی سے ان سے اپنی بات کہہ ڈالتے ہیں مگر جہاں ضرورت ہو وہاں ڈانٹ ڈپٹ بھی ہو جاتی ہے ان سب میں دوستی کا عنصر غالب رہتا ہے۔''۲۹؎

علی رضا احمد کی شخصیت علم، عقیدت، دوستی، انسانیت اور ہمدردی کا مجموعہ ہے۔جو نہ صرف اپنے حلقہ احباب میں اخلاق و عادات اور خوبی کردار کے حوالے سے بڑی محبوب تصور کی جاتی ہے

بلکہ قارئین پر بھی اپنے حسن اخلاق سے انمٹ نقوش مرتب کرتی ہے۔ وہ اپنا بنا لینے کے گر سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ کسی کی غیبت و حکایت و شکایت نہیں کرتے اور نہ ہی کسی کا مذاق اُڑاتے اور نہ تضحیک کرتے ہیں۔

تصانیف کا مختصر تعارف

علی رضا احمد کی طنز و مزاح پر مبنی مطبوعہ تصانیف ذیل میں درج ہیں۔

دھجی آں

ایرے غیرے

مزاح راہ

مزاح مبین

دھجی آں:

دھجی آں علی رضا احمد کی مزاح نگاری کی پہلی کتاب ہے جو کہ ۲۰۰۱ء میں منظرِ عام پر آئی۔ یہ کتاب القمر انٹر پرائزز کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔ کتاب کے آغاز میں علی رضا احمد کے متعلق چند معلومات ملتی ہیں جس میں انھوں نے اپنی تعلیم، ملازمت اور خود کے بارے میں معلومات دیں ہیں۔

اس کتاب کا انتساب تمام اہل علم و دانش اور اہل ذوق و ظرافت کے نام سے معنون ہے۔ یہ کتاب کل پینتالیس مضامین پر مشتمل ہے۔ ہر مضمون اپنی انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تصنیف کے سرورق پر ضیاء الحق قاسمی اور ڈاکٹر انعام الحق جاوید کی مضبوط رائے موجود ہے۔ ''دھجی آں'' کا حرفِ آغاز اُردو ادب کے معروف استاد الف نسیم نے تحریر کیا ہے جبکہ پیش لفظ مصنف نے خود لکھا ہے۔ یہ کتاب کل ۱۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا ہر ورق مزاح سے لبریز ہے۔ لیکن اس میں کسی کی دل آزادی نہیں کی گئی۔ چنانچہ یہ کتاب زیرِ لب تبسم کی بہترین مثال ہے۔

اس کتاب کے حوالے سے علی رضا احمد رقمطراز ہیں:

''دھجی آں میں میں نے کسی کی دھجیاں بکھیرنے کی بجائے سمیٹنے کی کوشش کی ہے اور کسی کا کوئی خاص تمسخر اڑانے کی کوشش بھی نہیں کی، بلکہ آپ انہیں ڈرامے ہی کے مختلف مزاحیہ کردار سمجھ کر مزا لیں تو بہتر ہے۔ اگر آپ اسے پھر بھی اپنی بے عزتی سمجھیں تو مجھے ضرور اطلاع کریں، یقین کریں آپ کے سامنے اپنی ہی کلاس لوں گا۔'' ۳۰؎

ایرے غیرے:

''ایرے غیرے'' علی رضا احمد کے مزاحیہ مضامین کا دوسرا مجموعہ ہے۔ (جو دھجی آں کے ایک سال بعد شائع ہوا) جس کا سال اشاعت ۲۰۰۲ء ہے۔ اس کتاب کے ناشر علی میاں پبلی کیشنز، ۲۰، عزیز مارکیٹ، اُردو بازار لاہور ہیں۔ یہ کتاب ۱۵۷ صفحات پر مجلہ شائع ہوئی ہے۔ سرورق پشت پر عطاء الحق قاسمی کی مضبوط رائے موجود ہے۔ اس کا انتساب علی رضا احمد نے ''قلم کی نوک'' کے نام معنون کیا ہے۔ ایرے غیرے کا آغاز مزاح کی ڈگر سے ہوا جسے پروفیسر نعیم مسعود نے رقم طراز کیا۔ اس کتاب میں موجود پختہ رائے غضنفر ہاشمی نے دی ہے، اگلے صفحے پر علی رضا احمد نے ''قارئین کے لیے'' کے نام سے دیباچہ تحریر کیا ہے۔ دھجی آں کے ایک سال کے عرصے کے بعد ایرے غیرے کے مضامین میں شگفتگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ کتاب لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دینے والی کتاب ہے۔ ایرے غیرے کے بارے میں علی رضا احمد لکھتے ہیں:

''ایرے غیرے میں کئی ایک مسائل کو دام تحریر میں پھنسانے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ میرے ان مضامین میں آپ مخفی اور ظاہری ''ایرے غیرے'' ملاحظہ کریں گے جن کی ہر حرکت اور اداء کو فکاہیہ وطنزاہیہ انداز میں سمانے کی کوشش کی ہے۔'' ۳۱؎

مزاح راہ:

مزاح راہ علی رضا احمد کا تیسرا مزاحیہ مجموعہ ہے (جو ایرے غیرے کے تقریباً بارہ سال بعد

شائع ہوا)۔ یہ کتاب ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی۔ ۱۴۴ صفحات پر مجلہ یہ کتاب القمر انٹر پرائزز، رحمن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مطبع عرفان افضل پرنٹرز، لاہور ہیں۔ کتاب کا انتساب.....

''اُن خوبصورت..... جوڑوں..... کے نام جن.....کا.....درد کا رشتہ قائم ہے'' سے معنون ہے۔ حرفِ آغاز علی رضا احمد نے بذاتِ خود تحریر کیا۔ مزاح راہ کل انسٹھ (۵۹) مضامین پر مشتمل کتاب ہے۔ ہر مضمون اپنی انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ پہلے حرف سے لے کر آخری حرف تک دلچسپی اور چاشنی قائم رہتی ہے اور بے ساختہ قہقہے بلند ہوتے چلے جاتے ہیں۔ علی رضا احمد مزاح راہ کے آغاز میں رقمطراز ہیں:

> ''مزاح نگاری کو ہمیشہ ایک مشکل کام سمجھا جاتا رہا ہے حالانکہ.....نقش نگاری کون سا آسان کام ہے.....اگر کسی مزاح نگار کو نقش نگاری پہ لگا دیا جائے تو اُس کا آنگن نقش نگار کے برش کی طرح ٹیڑھا ہو سکتا ہے..... جسے نگار خانے کی تو تی بھی سیدھا نہیں کر سکتی لیکن طنز کی قلم اٹھانے والے پر ٹیڑھے آنگن والا ''گن'' اٹھانے میں بھی تامل محسوس نہیں کرتا لہٰذا میں نے اپنی آنکھ بچا کر منتخب کالموں کا مجموعہ ترتیب دے دیا ہے اور اُمید ہے قارئین کو یہ آنکھ ضرور س بھائے گا۔ بشرطِ آنکھ بھر کر دیکھنے کا وقت مل پائے تو.....''۳۲؎

مزاح مین:

علی رضا احمد کے مجموعوں پر مجموعے شائع ہوتے چلے آرہے ہیں۔ مزاح مین ان کا چوتھا مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ہے جو مزاح راہ کے تقریباً چار سال بعد منظر عام پر آیا۔ مزاح مین دسمبر ۲۰۱۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کے ناشر القمر انٹر پرائزز، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور اور مطبع آر آر پرنٹرز ہیں۔ اس کتاب کی تدوین فائق علی رضا جبکہ لے آؤٹ ان کے چھوٹے بیٹے خلدون علی رضا نے سرانجام دیا ہے۔ مزاح مین کی پروف ریڈنگ مس خالدہ سلمان نے کی۔ اس کتاب کا

انتساب۔۔۔''شگفتہ تحریریں اُستوار کرنے والوں کے نام،جنھیں تخلیق کاری میں بعض اوقات مضطرب متامل ومضموم ہونا پڑتا ہے مگر وہ تصنیفی تعمیری اور تسطیری تحرک جاری رکھتے ہیں اور کبھی تعصب تشکیک اور تضاد سے کام نہیں لیتے'' سے معنون ہے۔

۱۵۹ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں کل ۳۰ مضامین شامل ہیں۔مزاح مین کے آغاز میں گل نوخیز اختر نے پرامن''مزاح مین'' کے نام سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔مزاح مین میں گل نوخیز اختر کی رائے کے بعد معروف اور پروقار شخصیت کے مالک عطاء الحق قاسمی بھی''شاباش علی رضا احمد شاباش'' کے نام سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔اس کتاب کے ہر صفحے پر ہمیں چمکتے دمکتے ہوئے جملے ملتے ہیں نیز یہ کتاب مزاح کا مکمل پیکر ہے۔گل نوخیز اختر''مزاح مین'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''علی رضا احمد کی''مزاح مین'' فکاہیہ ادب میں ایک خوشگوار اضافہ ہے ورنہ کئی مزاح کے نام پر کئی ایسی کتابیں بھی پڑھنے کو مل رہی ہیں جنہیں ایک دفعہ پڑھ لیا جائے تو ہنس ہنس کر برا حال ہوجاتا ہے۔غالباً یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس کا انتساب''جوڑوں کے درد'' کے نام کیا گیا ہے۔''۳۳؎

حوالہ جات

۱۔ علی رضا احمد کی خودنوشت ''بقلم بے خود'' غیر مطبوعہ، ص ۱

۲۔ راقمہ کا علی رضا احمد سے انٹرویو، ۲۴ جون ۲۰۲۱ء

۳۔ https://ur.m.wikipedia.org

۴۔ ایضاً

۵۔ https://www.google.com/amp/s/www.express.pk/story

۶۔ https://dunya.com.pk/index.php

۷۔ https://ur.m.wikipedia.org

۸۔ علی رضا احمد، بقلم بے خود، غیر مطبوعہ، ص ۲

۹۔ ایضاً، ص ۲ ٹیلی فونک رابطہ

۱۰۔ راقمہ کا اظہر سعید سے انٹرویو، ۲۸ جون ۲۰۲۱ء

۱۱۔ علی رضا احمد، بقلم بے خود، غیر مطبوعہ، ص ۲

۱۲۔ ایضاً، ص ۱

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ راقمہ کا ملک سلمان سے ٹیلی فونک انٹرویو، ۲۷ جون ۲۰۲۱ء

۱۵۔ راقمہ کا نبیلہ علی رضا سے ٹیلی فونک رابطہ، ۲۶ جون ۲۰۲۱ء

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ راقمہ کا علی رضا احمد سے ٹیلی فونک رابطہ بذریعہ واٹس ایپ، ۳ جولائی ۲۰۲۱ء

۱۸۔ راقمہ خلدون علی رضا سے ٹیلی فونک رابطہ، ۴ جولائی ۲۰۲۱ء

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ وزیر آغا، ڈاکٹر۔ تنقید اور جدید اُردو تنقید۔ کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۸۹ء، ص ۱۳

۲۱۔ راقمہ کا علی رضا احمد سے انٹرویو سے بذریعہ واٹس ایپ، ۳ جولائی ۲۰۲۱ء

۲۲۔ راقمہ کا علی رضا احمد سے انٹرویو، ۲۴ جون ۲۰۲۱ء

۲۳۔ راقمہ خلدون علی رضا سے ٹیلی فونک انٹرویو، ۴ جولائی ۲۰۲۱ء

۲۴۔ راقمہ کا ملک سلمان سے انٹرویو بذریعہ ٹیلی فون، ۲۷ جون ۲۰۲۱ء

۲۵۔ راقمہ کا نبیلہ علی رضا سے ٹیلی فونک انٹرویو، ۲۸ جون ۲۰۲۱ء

۲۶۔ راقمہ کا شیخ صدیق سے ٹیلی فونک انٹرویو، ۲۸ جون ۲۰۲۱ء

۲۷۔ راقمہ خلدون علی رضا سے ٹیلی فونک انٹرویو، ۴ جولائی ۲۰۲۱ء

۲۸۔ راقمہ کا اظہر سعید سے ٹیلی فونک انٹرویو، ۲۸ جون ۲۰۲۱ء

۲۹۔ راقمہ کا نبیلہ علی رضا سے ٹیلی فونک انٹرویو، ۲۶ جون ۲۰۲۱ء

۳۰۔ علی راضا احمد۔ دھجی آں۔ لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۱ء۔ ص ۱۲

۳۱۔ علی رضا احمد۔ ایرے غیرے۔ لاہور: علی میاں پبلی کیشنز، ۲۰۰۲۔ ص ۱۴

۳۲۔ علی رضا احمد۔ مزاح راہ۔ لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۱۴ء۔ ص ۹

۳۳۔ علی رضا احمد۔ مزاح مین۔ لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۱۸ء۔ ص ۹، ۱۰

باب دوم

علی رضا احمد کی مزاح نگاری کا فکری جائزہ

سنجیدگی کائنات کی ازلی وابدی خصوصیت ہے نتیجتہً کائنات کا ہر واقعہ بیج بونے سے لے کر پھول کھلنے تک اور زندگی کے ہر موڑ پر امتحان کی تیاری سے لے کر امتحان کی کامیابی تک ایک عجیب سی سنجیدگی سے ہم آہنگ ہے۔ زندگی مجموعی طور پر ایسی صورتِ حال پیدا کر دیتی ہے کہ جس سے انسان ذہنی تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے اور سنجیدگی کا عنصر گاہے بگاہے غالب ہوتا چلا جاتا ہے۔

ایسی سنجیدہ کائنات میں انسان کا سنجیدہ کاوشوں اور ٹھوس تعمیری کارناموں میں یکسر منہمک ہو جانا ایک فطری امر ہے۔ تاہم یہاں خطرہ لاحق ہے کہ انسان سنجیدگی کو خود پر جب طاری کر لیتا ہے تو اس کے اندر کا بچہ کہیں کھو جاتا ہے وہ محض مشین کی طرح فطرت کے اشاروں پر ناچتا چلا جاتا ہے۔ انسان جب فطری طور پر اپنے ماحول اور واقعات سے پریشان ہو جاتا ہے تو اسے یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ زندگی کی ناہمواریوں سے فرار حاصل کرے اور ایسی صورت میں انسان فطری طور پر خوش ہونے کے بہانے تلاش کرتا ہے۔

اللہ رب العزت نے انسان کو اشرف المخلوقات کی حیثیت عطا کی ہے۔ سوائے انسان کے کسی جاندار میں خوش ہونے اور ہنسنے کی صلاحیت موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے احساسات و جذبات ظاہر کرنے، خوش ہونے اور ہنسنے جیسی نعمت سے نوازا ہے۔ انسان جب زندگی کی ناہمواریوں اور مشکلات سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنا رخ ہنسنے کی جانب موڑ لیتا ہے۔ وہ مزاح کے پہلو میں خود کو گھیر لیتا ہے اور خوش ہونے کے بہانے تلاش کرتا ہے۔ مزاح ایک ایسا فن ہے جس سے انسان زندگی کے کٹھن مراحل سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے انسان کو حواسِ خمسہ سے نوازا ہے۔ حسِ مزاح ایک اضافی حس ہے۔

ڈاکٹر اشفاق احمد ورک کے بقول:

''انسان کو دیگر جانداروں کی نسبت تین اضافی حسیات سے سرفراز پا گیا ہے۔ حضرت انسان، ان اضافی حِسیات کو جس قدر نکھارتا چلا جاتا ہے وہ بقیہ جانداروں سے اسی قدر بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ وہ تین حِس مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ جمالیاتی حِس (Aesthetic sense)

۲۔ چھٹی حِس، عام فہم، عقلِ سلیم (Common sense)

۳۔ حِسِ مزاح (sense of Humour)''[۱]

انسان کے لیے حِسِ مزاح ایک ایسی قوت ہے جس کی بدولت وہ زندگی کی تلخیوں اور صبر آزما مصیبتوں پر ہنس دیتا ہے۔ یوں مزاح زندگی کے لیے قدرت کی طرف سے عطا کردہ ایک انمول تحفہ ہے۔ حِسِ مزاح کے ذریعے انسان زندگی اور کائنات کے پیچیدہ معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرسکتا ہے۔ سنجیدگی زندگی کا اہم عنصر ہے اور مزاح اس کے مزاج میں شگفتگی اور ہلچل پیدا کر سکتا ہے۔

انسان جب فطری طور پر اپنے حالات و واقعات اور زندگی کی تلخ حقیقتوں سے افسردہ ہو جاتا ہے تو اس کے اندر گھٹن پیدا ہونے لگتی ہے اور وہ ان سب سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنا رخ مسکرانے کی جانب موڑ لیتا ہے۔ ایسے میں مزاح انسان کو احساس شگفتگی سے سرشار کرتا ہے اور مایوسیوں کی دلدل سے نکالنے میں مدد کرتا ہے۔ ڈاکٹر سید اعجاز حسین لکھتے ہیں:

''دنیا زیادہ تر خوشی کی طالب ہے۔ ہنسنے کے مقابلے میں رونے سے گریز کرتی ہے اس لیے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جذبات کے لحاظ سے ہنسنے کی اہمیت زیادہ اور اتنی عظیم ہے کہ اگر خوشی دنیا سے اٹھ جائے تو غالباً محفلِ عالم کو پہچاننے میں فرشتوں کو بھی تکلیف ہو۔ انسان کا جینا دوبھر ہو جائے اور خدا جانے کیا کیا ہو جائے۔''[۲]

انسان کائنات میں سب سے بڑا خواب پرست ہے اور اکثر اپنی خواہشات سے ایک ایسا رنگ محل تیار کر لیتا ہے جس کی اساس خوابوں پر قائم ہوتی ہے اس کے برعکس زندگی خواب ہو یا نہ ہو لیکن ایک تلخ حقیقت ضرور ہے چنانچہ اسکی ساری خواہشات کے رنگ اس حقیقت سے اُتم ٹکراتے ہیں۔ زندگی میں انسان کو بے شمار دکھ درد، تکالیف و مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ زندگی کے انھی رویوں سے انسان کو طنز و مزاح سے تحریک ملتی ہے اور ایسے میں مزاح جوش و جذبے کے طور پر سامنے آتا ہے جو انسان کو عارضی طور پر رنج و غم سے دور لے جاتا ہے۔ مزاح انسان کو زندگی کی ناہمواریوں اور بے رُخی کو ہنس کر برداشت کرنے کی قوت بخشتا ہے یوں احساسِ مزاح زندگی کو روشن کرتا ہے۔ خواجہ عبدالغفور لکھتے ہیں:

> ''اشرف المخلوقات کو صرف حیوانِ ناطق ہی نہیں بلکہ حیوانِ ظریف بھی بننا پڑتا ہے۔ یہی صلاحیت انسان کو زندہ رکھتی ہے کہ بغیر ہنسے ہنسائے انسان اپنے دکھ درد پر قابو نہیں پا سکتا۔ کچھ دیر کی ہنسی نہ صرف غم و اندوہ کو بھلا دیتی ہے بلکہ اس سے ایسی تازگی اور فرحت پیدا ہو جاتی ہے کہ غم ہائے دنیا کو برداشت کرنے کی از سرِ نو طاقت آ جاتی ہے۔''۳؎

احساسات و خواہشات کا تعلق ہنسنا اور ہنسانا ہی ہے اور یہی انسان کی ضرورت ہے۔ ہنسی زندگی کا سہارا ہے جو دکھ درد کا مداوا کرتی ہے۔ ہنسی ایک ایسا آلہ ہے جو وقتی طور پر ہی سہی مگر زندگی کو رونق ضرور بخشتی ہے۔ انسان حیوانِ ظریف ہے کیونکہ ہنسنا، ہنسانا اور ظریفِ جملوں سے حظ اٹھانا اس کی فطرت کا خاصہ ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

> ''ہنسنا، ہنسانا جس کا ادبی نام طنز و مزاح یا شوخی و ظرافت ہے، آدمی کا جبلی عمل ہے۔ جس طرح آدمی خوبصورت چیزوں کو دیکھ کر واہ واہ سبحان اللہ کہنے پر مجبور ہے، اسی طرح وہ اپنے دوست کو دور سے دیکھ کر خوشی سے دانت نکالنے اور زندگی کے مضحک پہلوؤں پر ہنسنے پر مجبور ہے۔ اس کی یہ مجبوری کہیں بے ادبی و گستاخی گردانی جاتی ہے کہیں لطف انگیز و نشاط آور۔

باشعور و باذوق افراد کی کوشش یہ ہوتی ہے اور یہی ہونی چاہیے کہ طنز و ظرافت سے دودھاری تلوار یا خوامخواہ کسی کی دل آزادی کا کام نہ لیا جائے، بلکہ اسے ایسے ہلکے پھلکے نشتر کی لطیف چبھن تک محدود رکھا جائے جو مریض کی صحت کا ضامن بھی ہو اور لطف اندوزی کا کامیاب وسیلہ بھی۔''۴؎

دنیا کے تمام لوگ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے سہارے تلاش کرتے ہیں۔ مختلف سہاروں کا ایک مقصد تھا اور وہ یہ کہ ان تمام غموں کو کسی حد تک کم کر لیا جائے۔ جیسے جیسے انسانی تہذیب وتمدن بدلتا رہا ویسے ہی ہنسنے ہنسانے کے حربے بدلتے رہے۔ حرکات وسکنات کے ذریعے خوش ہونے اور کرنے کا سلسلہ انسانی تاریخ سے شروع ہوا، وہ آج بھی مختلف اشکال میں جاری وساری ہے۔

ہر تخلیق کار لکھنے سے پہلے مختلف موضوعات وخیالات اپنے ذہن میں لاتا ہے پھر انہی کو وہ اپنے مضامین میں بیان کرتا ہے۔ مزاح نگار کا وہ بنیادی خیال یا تصور اور معاشرتی حقائق سے مزاح لکھنے کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے موضوع کہلاتا ہے۔ کسی بھی فن پارے میں موضوع بنیادی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس پر تخلیق کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ حقیقت اور واقعیت پر مبنی موضوع موثر مزاح/مضامین کی تخلیق کا سبب بنتا ہے۔ مزاح نگاری کا اپنا کوئی موضوع نہیں ہوتا۔ مزاح نگار اپنے کمال فن سے زیست کی رنگارنگی، پیچیدگیاں اور گردوپیش کے واقعات قاری کے سامنے لاتا ہے۔ گویا انسانی زندگی سے وابستہ کوئی بھی واقعہ، احساس، جذبہ، مشاہدہ یا حادثہ مزاح کا موضوع بن سکتا ہے۔

علی رضا احمد مزاح نگاری کے فن میں مہارت رکھتے ہیں۔ ان کے موضوعات میں تنوع باآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ علی رضا احمد انسانی نفسیات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ انھوں نے اپنے بعض مضامین میں نفسیات کا تجزیہ اور ذہنی کیفیات وجذبات کا ذکر ایسی بے باکی سے کیا ہے کہ سارا نقشہ نگاہوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے۔ علی رضا احمد تخیل سے زیادہ مشاہدے سے کام

لیتے ہیں۔ وہ جو کچھ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں انھوں نے اس میں دردِ دل کی کسک شامل کر کے مزاحیہ مضامین کے ذریعے مشرقی تہذیب وتمدن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے فن پاروں میں اپنے ماحول کی خوشبو رچی بسی ہوتی ہے۔ انھوں نے ہر موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے نیز ان کے ہاں موضوعات کی ورائٹی نظر آتی ہے۔ ناشر (القمر) شیخ صدیق اپنے انٹرویو میں کہتے ہیں:

> ''ان کے مضامین میں ہمیں موضوعات کی ورائٹی ملتی ہے۔ ملکی، سیاسی و سماجی اور معاشرتی ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ انھیں زبان پر بلا کی قدرت ہے۔ وہ کلاسیکی ہنرمندی سے شستہ وشگفتہ مضامین لکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا وصف ہے جس نے ان کے مزاحیہ مضامین کو فکری تحدیدات کے باوصف قارئین کے تمام حلقوں میں مقبول بنائے رکھا ہے۔ عام مزاح نگاروں سے ہٹ کر لکھتے ہیں اور ان کے مضامین میں نقل نہیں ہے۔''۵؎

علی رضا احمد نے ایک صاحب بصیرت اور تجربہ کار مصنف ہونے کی حیثیت سے اپنے معاشرے سے سماجی حقائق اور معاشرتی مسائل سے پردہ اٹھایا ہے۔ بعض جگہوں پر وہ ان برائیوں اور معاشرے میں موجود خامیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شدید طنز کی لپیٹ میں آ کر ترش لہجہ اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن یہ لہجہ جب طنز اور مزاح کی آمیزش سے سامنے آتا ہے تو اس میں ان دونوں کی ملی جلی ایسی فضا پیدا ہو جاتی ہے جو اصلاح کے پہلو کو ترغیب دیتی ہے۔ سچ کا راستہ دشوار اور کٹھن ضرور ہوتا ہے لیکن کامیابی اور کامرانی سے ہمارا تعلق جوڑ دیتا ہے، علی رضا احمد کے دل میں بھی قوم کی اصلاح کا جذبہ اور درد ہے۔ وہ انفرادی طور پر اپنے قلم کے ذریعے معاشرے کی اصلاح اور ان کی کوتاہیوں کی نشاندہی کر کے اُسے راہِ راست پر لانے کے خواہشمند ہیں۔

علی رضا احمد کی تحریروں میں ہمیں سب سے نمایاں موضوع جو نظر آتا ہے وہ معاشرے کے مسائل ہیں ان میں معاشرے کے نفسیاتی مسائل، نشہ کرنے والوں کی شرح میں اضافہ، لوگوں

میں گوری رنگت کو لے کر جو احساس کمتری پیدا رہی ان جیسے تمام مسائل کو انھوں نے اپنے مضامین کا حصہ بنایا ہے اور اپنے قلم کے زور سے ان پیچیدہ مسائل سے نمٹنے اور دل سے نکالنے کی راہ دیکھائی ہیں وہ ان مسائل سے نجات دلانے کے لیے طنز و مزاح کا سہارا لیتے ہیں اور اپنا مقصد اپنے قارئین تک پہنچاتے ہیں جیسا کہ وہ ایک مضمون ''آپ کے سوال ہمارے جواب'' میں لکھتے ہیں:

''س۔ میں خواب میں ڈر جاتا ہوں حالانکہ میں بڑا بہادر قسم کا پٹھان ہوں۔ میرے لئے مشورہ تجویز فرمائیں۔

ج۔ آپ اس ترقی یافتہ دور میں ڈرپوک سا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ سنیئے! جاپان نے خواب دیکھنے والی ایک مشین ایجاد کی ہے جس سے بلیاں چوہوں کو چھوڑ کر چھچھڑوں کے خواب دیکھنے لگ گئی ہیں۔ آپ یہ مشین پشاور باڑہ سے لے سکتے ہیں۔ لوگ آئندہ فلمیں دیکھنا چھوڑ دیں گے اور سنیما جا کر خواب ہی دیکھا کریں گے۔''۶؎

یہ ایک معاشرتی حقیقت ہے کہ امراء میں سے زیادہ تر نسل در نسل صاحب اقتدار و صاحب اختیار رہتے ہیں۔ ایک اور جگہ ایک عورت کی بیماری کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خدا کا شکر ادا کیجئے آپ کو بہت اچھی یعنی بھولنے کی ''بیماری'' سے واسطہ پڑا ہے۔ اس سے تو آپ کی بہت چاندی ہوئی ہوگی اور غموں فکروں سے نجات کا زیور ہاتھ لگا ہوگا۔ ٹیلیفون، بجلی، گیس اور دیگر کئی بل بھی آپ ادا کرنا بھول گئی ہوں گی جسکی وجہ سے لازمی بچت ہوئی ہوگی۔''۷؎

سگریٹ نوشی معاشرے کی ایک ایسی ستم زدہ برائی ہے جس نے نا جانے کتنے گھروں کے چراغ بجھا دیے ہیں۔ سگریٹ نوشی تو ایک صاحب حیثیت شخص کو زمانے کی ٹھوکروں کے سپرد کر دیتی ہے۔ علی رضا احمد نے اپنے مضامین میں اس موضوع کو رونق بخشی ہے۔ اس کے بارے میں وہ رقم طراز ہیں:

''تمبا کو کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ ہر جگہ سے مل جاتا ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو ہر جگہ پی لیا جاتا ہے لیکن یہ کسی بھی جگہ طبیعت کو مطمئن نہیں کرتا۔ یقیناً یہ ایک جرم ہے جس کی سزا ڈبی کے اندر عمر قید ہے۔ سگریٹ ہی ایک ایسی چیز ہے جس میں ''کش'' اور کُش دونوں ممکن ہوتے ہیں۔''۸؎

علی رضا احمد نے نہ صرف تمبا کو نوشی جیسی برائیوں کو موضوع سخن بنایا ہے بلکہ انہوں نے معاشرے میں جو طبقاتی فرق رکھا جاتا ہے اس کو بھی اپنے قلم کے ذریعے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جس طرح ہمارے اردگرد ہمیں ایسے لوگوں کا گہوارہ نظر آتا ہے جہاں پر نچلے طبقے کے لوگوں کو اُن کے حقوق سے محروم کیا جاتا ہے۔ اس میں قانون کے ادارے سرفہرست ہیں، کچی آبادیوں میں رہنے کی وجہ سے ان لوگوں کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے ان کے رہن سہن اور پہناوے پر تنقید کرتے ہوئے لوگ عام نظر آتے ہیں۔ علی رضا احمد ایسے لوگوں کے لیے ان کی آواز اور ان کا حوصلہ بن کر سامنے آئے ہیں۔ وہ اپنی کتاب مزاح مین میں ہم کلام ہیں:

''ایروں غیروں کی فہرست کا دائرہ کار Span بہت بڑا اور وسیع ہے۔ شاید میرا یہ گمان غلط ہو یہ عناصر استادوں، شاعروں، ڈاکٹروں، حکیموں، پولیس یا عدالتی امور سمیت ہر جگہ ہو سکتے ہیں۔''۹؎

سیاست ایک بہت ہی طویل اور توجہ طلب موضوع ہے جس میں قدم قدم پر پیچیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں وہ چاہئے تحریری میدان میں یا پھر مقابلے کے میدان میں علی رضا احمد کے مضامین میں یہ موضوع کافی توجہ طلب رہا ہے ان کی کتاب مزاح راہ سیاسی پہلوؤں سے بھری پڑی ہے جس میں سیاست دان اور ان کے جھوٹوں کو انہوں نے اپنے قلم کے زور سے بیان کیا ہے وہ طنز و مزاح کے عنصر کو غائب نہیں ہونے دیتے اس موضوع کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''دنیا کے تمام خطوں کے لوگ جھوٹ کو اچھا نہیں جانتے، اس لئے وہ اسے جلدی جلدی بھول کر اس سے جان چھڑا لیتے ہیں مگر امریکیوں کو اس

''سماجی'' فرض کی ادائیگی میں چنداں جلدی نہیں ہوتی..... امریکی باقی ممالک کی نسبت صفائی پسند نہیں لیکن جھوٹ بڑی صفائی سے بولتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بات کو پہلے تولو اور پھر بولو اگر بولنا ہی جھوٹ ہے تو پھر تراز وبھی امریکی کمپنی کا ہونا چاہئے۔''۱۰؎

ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

''ایک انگریزی کا لفظ آپ اکثر سنتے ہیں وہ ہے Hook لیکن اس کا اصل استعمال Hook مران یعنی حکمران کرتا ہے۔ وہ کسی ملک میں اپنی عظیم قربانی کے لیے تاحیات سیاسی ہک پر اپنی کنڈی پھنسا کر اور صرف عوام کی ''بھلائی'' کے لیے اپنی گراں قدر خدمات انجام دے کر قانون سازی کرتا ہے۔ وہ فنونِ لطیفہ کے ساتھ ساتھ قانون لطیفہ کو بھی فروغ دیتا ہے۔''۱۱؎

علی رضا احمد نے نہ صرف اپنی تحریروں میں پاکستانی سیاست کو طنز و مزاح کے پیرائے میں بیان کیا ہے بلکہ وہ امریکی، ہندوستانی اور دیگر دوسرے ممالک غرض یہ کہ دنیا میں موجود جتنے بھی ممالک ہیں ان کی سیاست پر طنز و مزاح کی سی کیفیت پیدا کر کے اس میں موجود خامیوں کو دور کر کے اس میں ایک نئی تازگی اور ایک نیا حسن پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً:

''ہمارے لیڈروں کی نیندیں شاید اتنی زیر بحث نہیں آتی جتنے ان کے خوشحالی کے خواب..... اور خواب کے لیے نیند شرط ہے مگر نیند کے لیے آنکھوں کا کوئی سائز مشروط نہیں اور اسے بھینگا پن متاثر کرتا ہے اور نہ ہی نرگسی اور کرکسی آنکھیں.....''۱۲؎

سیاست کئی طرح کی ہوسکتی ہے صرف اقتدار کا حصول سیاست کے زمرے میں نہیں آتا ذاتی مفادات کا حصول، سکول اور ہر وہ جگہ جہاں پر عوام کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے وہ سب سیاست کے حصے میں شامل ہوتے ہیں۔ سیاسیات کا تعلق حکومت اور عوام دونوں سے ہے۔

انسان میں ہمیشہ برادری کے اندر رہنے کی ضرورت رہی ہے وہ تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ ایک معاشرے میں تنظیم اور نظم وضبط کو قائم رکھنے کے لیے کچھ اداروں کا قیام عمل لانا ضروری ہے۔ یہ نظم وضبط سیاسی فلسفے سے پیدا ہوتا ہے۔

علی رضا احمد لکھتے ہیں:

''سیاست کے زمینی حقائق فضاء کے زمینی حقائق کی طرح بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ یہ گمان کر لیا جاتا ہے کہ زمین بیچ کر الیکشن لڑیں گے اور پھر رکن اسمبلی سے وزیر بن کر زمین واپس الاٹ کروالیں گے، بھی ایک مفروضہ اور سیاسی فکر کی کمی ہے جو شخص سیاست میں داخل ہو کر راحت اور شرافت تلاش کرتا ہے وہ وقت ضائع کرتا ہے۔''۱۳؎

علی رضا احمد کی خوبی یہ ہے کہ وہ موضوعات میں مبنی وسعت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کا موضوع سیاست بہت طویل ہے یہ طویل ہونے کے باعث اپنی خاصیت کو برقرار رکھے ہوئے ہے ان کے موضوعات میں تنوع پایا جاتا ہے ایک ہی موضوع کو مختلف رنگوں میں بیان کرنے کے ہنر سے باخوبی واقف ہیں وہ اپنے طنز ومزاح کے فن سے کیا امریکی کیا پاکستانی سب کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔

مثال ملاحظہ ہو:

''پاکستان اور امریکہ کے تعلقات ایک ازدواجی تعلق کی طرح ہیں لہٰذا اس میں کبھی کبھی سرد مہری بھی آجاتی ہے۔ مگر ہیلری نے واضع نہیں کیا کہ ان دونوں ملکوں میں سے خاوند کون ہے۔ اس ضمن میں دلہن کی کوشش ہونی چاہیے کہ اپنے دولہے کا طرہ بلند رکھے تاکہ طرفہ تماشہ نہ بنے۔''۱۴؎

علی رضا احمد صاحب کے مضامین پڑھنے سے یہ گمان ہی نہیں ہوتا کہ یہ ۲۰۰۱ء کے لکھے ہوئے ہیں ان کے یہ مضامین اپنے اندر بے حد تازگی سموئے ہوئے ہے۔ ان کو پڑھنے سے ایسا

محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ اس صدی کے ماحول کی عکاسی کرتے ہیں۔جس طرح مرزا غالب اور میر تقی میر کے دور کی شاعری کو ہم اس زمانے میں پڑھتے ہیں تو وہ اس زمانے کی معلوم ہوتی ہے ہر بار پڑھنے سے وہ نئے معنی ومفہوم دیتی ہے بالکل اسی طرح علی رضا احمد کے مضامین اسی حیثیت کے حامل ہیں اور اپنی جداگانہ پہچان بنائے ہوئے ہیں۔اگر انھوں نے سیاست کے موضوع پر لکھنا شروع کیا ہے تو اس میں اتنی وسعت پیدا کردی ہے کہ ہر زمانے کا ذکر اس میں کر دیا ہے۔وہ اپنے مضامین میں حکومت پر جا بجا طنز کے نشتر سے کام لیتے رہتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''اگر ہمارے مالی کام کرنا چھوڑ دیں تو ہم یقینی طور پر آم، انگور اور سیب باہر سے منگوائیں گے کیونکہ صورتِ احوال یہ ہے کہ ہمارے ہاں تو مالیوں کی بھرتی پر بھی کئی سالوں پابندی چلی آرہی ہے۔اگر ہماری حکومت سب بھرتیاں چھوڑ کر صرف مالیوں کی بھرتی کھول دے تو پانچ سال میں ملک ''مالی طور'' پر مستحکم ہوسکتا ہے۔مالی کی اہمیت کو نظر انداز کرنا احمقانہ طرزِ فکر ہے کیونکہ یہ ہماری خوشحالی کا ''مالیکول'' ہے۔''۱۵؎

علی رضا احمد نے حکومت پر طنز کی صورت میں الیکشن کے پہلوؤں کو بھی طنز ومزاح کی ملی جلی کیفیت میں بیان کیا ہے کہ کس طرح حکمران الیکشن کے آنے سے پہلے عوام کے جذبات کے ساتھ کھیلواڑ کرتے ہیں اور انھیں سبز باغ دکھا ہمیشہ کے لیے انھیں بے بصیرت کر دیتے ہیں مثال ذیل میں درج ہے:

''ہمارے عوام سیاست دانوں کے جائزوں اور جملوں سے بہت لطف اندوز ہوتے ہیں۔جیسے انھوں نے اپنے علاقے میں بہت سے بائی پاس بنوائے ہیں لیکن اپنا نہیں کروایا یہی ان کا سیاسی مشن ہے۔اپنی سیاسی بصیرت اور شگفتہ بیانی سے گرما گرم بات کو بھی پھیلنے سے پہلے ٹھنڈا کر دیتے ہیں۔اس لیے ستمبر ہی سے ''سرد موسم'' کی تیاری شروع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ دفتر کے باہر جھنڈا بھی اونی لگوا دیتے ہیں.....جمہوریت کو کچھ

اس لیے بھی پسند کرتے ہیں، کیونکہ اس میں عمرے ادا کرنے کا کافی موقع ملتا ہے۔ آنے والے وقت میں دیکھئے کیا کرتے ہیں، صلح، عمرہ یا انتظار۔''۱۶؎

علی رضا احمد بلا صلاحیت اور اعلیٰ وضع کے مصنف ہیں انھوں نے سیاسی موضوع پر بات کرتے ہوئے اس کے تمام لوازمات کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے یعنی ہر دور اور ہر ملک کی سیاسی سرگرمیاں ان کے طنز و مزاح سے بچ جانے سے قاصر ہیں جیسے وہ مختلف جگہوں پر اپنے پڑوسی دوست ملک یعنی بھارت کی سیاست پر طنز اور مزاح کے پہلو کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں وہ رقم طراز ہیں:

''ہمارے ایک ہمسایے BJP یعنی بابو جتندر پرشاد کا رنگ اپنے نصیبوں سے بھی کالا ہے اس لئے اس کی عرفیت بھی ماں باپ نے عام لوگوں کی آسانی کے لیے کالو ہی رکھی ہے۔ سنا ہے ان کی پیدائش سے ذرا پہلے موصوفہ کو کالی مرچ، کالا زیرہ اور ڈیزل کے بخارات کی دھونی دی گئی تھی جن کے اثرات ان پر آ گئے.....''۱۷؎

علی رضا احمد کے مضامین میں ایک اور نیا پہلو جو سیاست کے زمرے میں شامل ہوتا ہے وہ ہے کھیلوں کی سیاست کس طرح وقوع پذیر ہوتی ہے جیسے وہ ثانیہ مرزا اور شعیب ملک کی شادی کو موضوعِ سخن بناتے ہیں اور ان کی ازدواجی زندگی کو کس طرح سیاست کی بھینٹ چڑھایا گیا اس کو بھی طنز و مزاح کے ایک سنگین دور میں بیان کرنے میں ماہر نظر آتے ہیں۔

مثال کے طور پر:

''اسے کہتے ہیں بین الاقوامی وٹہ سٹہ! میرے علم میں نہیں کہ اس سے قبل کتنے مغل، ملک اور مانیکا وہاں سے ادلہ بدلہ کر چکے ہیں مگر یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ اور پاکستانیوں کا داؤ بھی لگ جائے۔ ویسے کرکٹ اور ٹینس میں اکثر بڑے داؤ لگتے ہیں اور کھیل کے ساتھ سٹہ بھی کھیلا جاتا ہے.....سردار سورن سنگھ بھارت کے صدر اور پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے اور لکڑی

کے کام کے ماہر تھے الیکشن کے فوری بعد جب وہ ابھی مبارک بادیں لے رہے تھے، انہیں اطلاع دی گئی کہ وہ جلد دہلی پہنچیں ''کیبنٹ'' بنانے میں ان کی مشاورت ضروری ہے۔''۱۸؎

ذات برادری نسلوں کا پتہ دیتی ہے۔علی رضا احمد نے اپنے مضامین میں اس موضوع کو بھی انفرادی حیثیت بخشی ہے وہ ذات برادری میں طنز ومزاح کی چاشنی سے ایک نیا نکھار پیدا کر دیتے ہیں۔ ہمارے سماج میں موجود ذات بات کے نظام کی بنیاد قوم وقبیلہ نہیں بلکہ مختلف پیشے ہیں، جن کی ابتدا جاگیردارانہ نظام میں ہوئی۔صدیوں پہلے یہ سماج دو طبقوں میں بٹا ہوا تھا جس میں سے ایک جاگیردارانہ طبقہ تھا جس کو دولت نے سب کچھ بخشا تھا اور دوسرا محنت کش طبقہ تھا جو اپنی زندگی کے دن گزارنے کے لیے محنت ومزدوری کرنے پر مجبور تھے ہر محنت کش اور مزدور کسی نہ کسی پیشے سے وابستہ ہو گئے، رفتہ رفتہ یہ پیشہ باپ نے اپنایا اس سے یہ ریت چلتی ہوئی بیٹوں تک پہنچی پھر اس پیشے کو بیٹے نے اپنایا وہ ذریعہ روزگار ذات میں بدل گیا۔ نائی، چمار، کمہار، درزی، جولاہا، جٹ، بٹ وغیرہ کی ذاتیں اپنے اپنے پیشوں کی وجہ سے منسوب ہوگئی۔

ذات برادری کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے۔''۱۹؎

علی رضا احمد نے اپنے مضامین میں ذات برداری اور پھر اس ذات کے ساتھ منسلک لطیفے اور پھر اس کے اوپر طنز کے نشتر کو چاشنی میں ڈبو کر بیان کرنا۔ یہ ایک ظریفانہ ہنر ہے جس سے وہ باخوبی واقف ہیں۔انھوں نے اپنے مضامین میں جٹ اور بٹ ان دو ذاتوں پر اپنے طنز ومزاح کے ہلکے پھلکے انداز میں اپنی بات کو دوسروں تک پہنچایا ہے اور ان دونوں نسلوں کی عادات و سکنات کا مشاہدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔گنگا جمنا کے دوآبے اور راجپوتانے میں یہ جاٹ

کہلاتے ہیں اور پنجاب میں یہ جٹ مشہور ہیں۔ جٹ ذات بذاتِ خود بہادری عمل اور پیش قدمی کی علامت ہے۔ وہ لین دین میں سادہ لوح ہوتے ہیں۔ جاٹوں میں تین مذہب کے لوگ ہیں۔ مسلمان جو دریائے سندھ کے نچلے والے حصے میں رہتے ہیں، سکھ پنجاب میں اور ہندو جو راجپوتانہ میں رہتے ہیں۔

جٹ کے علاوہ جو دوسری ذات علی رضا احمد کے مضامین میں نمایاں نظر آتی ہے وہ بٹ قوم ہے جو کہ کشمیر، پاکستان اور بھارت میں آباد ہے۔ بٹ قوم کو پاکستان اور بھارت میں بھٹ بولا جاتا ہے یہ قوم خود میں گئی گوت رکھتی ہے۔ یہ لوگ کشمیر سے تب نکلنا شروع ہوئے جب ڈوگرہ راجپوتوں نے ان کو مسلمان ہونے پر طرح طرح کی تکالیف دینا شروع کر دی تھیں۔ بٹ ذات کے بارے میں محمد الدین فوق اپنی کتاب تاریخ اقوامِ کشمیر میں اس ذات کے حوالے سے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

> ''بٹ قوم میں ہندو اور مسلمان دونوں پائے جاتے ہیں۔ سر والٹر الارنس اپنی تاریخ میں ان کی اصل برہمنوں سے ثابت کرتے ہیں مصنف تاریخ گلشن کشمیر نے بھی انھیں برہمن لکھا ہے اور کشمیر کے جغرافیہ ملحقہ راج ترنگنی کلہن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ برہمن تھے۔''۲۰؎

علی رضا احمد جٹ اور بٹ دونوں ذاتوں کے بارے میں لکھتے ہیں مثال ملاحظہ ہو:

> ''میرے دو دوست اشرف بٹ اور اشرف جٹ ایک ہی تھیلی کے ''جٹے'' اور ''بٹے'' معلوم ہونگے..... جٹ عموماً دراز قد کے ہوتے ہیں جبکہ بٹ عموماً ان سے پستی کی وجہ سے مار کھا جاتے ہیں جٹ اگر اپنی لمبائی میں مشہور ہیں تو بٹ چوڑائی میں..... اگر یہ آپس میں باتیں کر رہے ہوں تو دونوں کی ٹوپیاں بار بار آگے پیچھے گریں گی۔''۲۱؎

علی رضا احمد کے موضوعات میں سے ایک اور نیا ابھرتا ہوا موضوع ان کا شاعروں کے اوپر طنز ہے اور شاعر بھی وہ جو دوسروں کی شاعری کو چراتے اور پھر ان کے رنگ میں اپنی شاعری کو

لکھتے ہوئے ان کی اہمیت کو فراموش کروا دیتے ہیں اور یوں ناجائز طریقے سے ترقی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کرپشن صرف سیاسی امور میں ہی نہیں ہوتی بلکہ دنیا میں موجود ہر وہ ادارہ اور ہر وہ جگہ جہاں پر دوسرے کے حقوق کی پامالی کی جاتی ہے وہ جگہ اور اس جگہ پروان چڑھنے والے ادارے اس سنگین غلاظت کی زد میں آجاتے ہیں۔ اپنے لکھنے کے انداز کے بارے کہتے ہیں ؎

سطریں جملے الفاظ حروف کو دامن میں سجا لیتا ہوں
پھر فقرے فکریں اکٹھی کر کے کچھ جملے بنا لیتا ہوں

علی رضا احمد نے ایسے لوگوں کو اپنی تحریروں میں طنز و مزاح کے دائرے میں رکھتے ہوئے آڑے ہاتھوں لیا ہے اور ایسے لوگوں کو زمیندار کہا ہے جو دوسروں کی کھیتی، محنت اور زمین کے اوپر اپنا سپنوں کا محل تعمیر کرنے کی سوچ کو لے کر اقدامات کرتے ہیں۔ انھوں نے اس کے بارے میں اپنے احساسات کا اظہار کچھ یوں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''جو شاعر جھوٹی شہرت کے لیے دوسروں کی زمین چراتے ہیں وہ ادب کی دنیا کے سب سے بڑے زمیندار کہلائے جاتے ہیں۔ وہ جتنے اپنی غزل کی زمین کے اندر ہیں اتنے قطعات باہر بھی ہوتے ہیں..... کسی شاعر کی زمین واحد زمین ہے جس کا انتقال شاعر کی زندگی میں چڑھانا مشکل ہوتا ہے۔''۲۲؎

علی رضا احمد کی طنز و مزاح کی لہریں صرف شاعروں کو ہی اپنی لپیٹ میں نہیں لیتی بلکہ وہ اس کے درمیان بھی حکومت پر طنز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ساتھ ہی میں مزاح کی عدم موجودگی وجہ سے طنز کی کاٹ زیادہ گہری نہیں ہونے پاتی۔ مثال درج ذیل ہے:

''اب اُمید ہے کہ حکومت غزل کی زمین پر ناجائز تجاوزات کا بھی سخت نوٹس لے کر اہلِ زمین شاعروں کی حوصلہ افزائی کرے گی ورنہ غزل کی زمین چائنا کٹنگ اور سیم و تھور کا شکار ہو سکتی ہے اور یہ سرکاری ''آب+کاری'' سے محروم رہ سکتی ہے۔''۲۳؎

زندگی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ انسان اپنے اردگرد کے ماحول کے تلخ رویوں اور دکھوں سے دست وگریباں ہوتا نظر آتا ہے۔طنز ومزاح انسانی فطرت کا وہ مثبت پہلو ہے جس کے تحت انسان ان تلخیوں اور ناہمواریوں کا مقابلہ بڑے جگرے کے ساتھ کرتا ہے۔جس کے ذریعے انسان کو جینے کا حوصلہ ملتا ہے۔علی رضا احمد نے طنز ومزاح کے اس سفر میں ڈاکٹروں اور ان کے علاج کے دوران مریضوں کے کیا مشورے ہوتے ہیں اور دوائیوں کی کمپنیوں کے نت نئے ذائقے اور ڈیزائن متعارف کروا دیئے ہیں کہ اب علاج بھی کرواتے وقت آپ اپنی پسند کے مطابق ذائقہ اور رنگ منتخب کر سکتے ہیں تا کہ آپ کے جسم اور اس میں موجود تکلیف کو اس کی مرضی کی مرہم سے علاج مل سکے۔مثلاً:

> ''مریض کے ذوق کو بلیک میل کرنے کی خاطر آج کل دوائیوں کی کمپنیوں نے بھی نت نئے ذائقے اور ڈیزائن متعارف کروا دیئے ہیں اب آپ کو دوائی کے ساتھ چاکلیٹ، سٹرابیری اور ٹوٹی فروٹی کا حسین ذائقہ بھی ملنے لگا ہے.....شاید آئندہ ایک یا دو سالوں میں کوئی چھچھوری سی کمپنی آئس کریم میڈیسن بھی متعارف کروا دے یہ تو باذوق مریضوں کے لئے ایک خوش آئندہ خبر ہوگی.....''۲۴؎

علی رضا احمد نہ صرف مریضوں کے لیے جو دوائیوں میں نت نئے ذائقے متعارف ہو چکے ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں بلکہ وہ مزاحیہ انداز میں شدید بیماریوں کی لپیٹ میں مریضوں کو خوش کرنے کی ادنیٰ سی کوشش کرتے رہتے ہیں مثال ملاحظہ ہو:

> ''اگر مطالعاتی علاج فروغ پا گیا تو پھر موٹے موٹے ناولوں پر لکھا ہوگا، ڈیزی پام 200mg لیکن اس دوا کا کرشمہ یہ ہوگا کہ مریض اس موٹے تازے ناول کے خوف خواب غفلت میں چلا جائے گا..... یہاں ایک خطرہ یہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ کہیں یہ مطالعاتی علاج ترقی کرتے ہوئے ہمارے ادب کو اورنج یا چاکلیٹ فلیور نہ بنا دے۔ یہ وہ دور ہوگا جب

دکاندار مریض سے پوچھے گا کہ کیا آپ کو عطاالحق قاسمی صاحب کی کتاب
''بارہ سنگھے'' مینگوفلیور میں چاہیے۔''۲۵؎

شخصی موضوع مضمون نگاری کی ایک قسم ہے جس میں شخصیت کے ان نقوش کو اجاگر کیا جاتا ہے جن کے امتزاج سے کسی کے کردار تشکیل ہوتے ہیں۔ اس کے لیے ہم ایک لفظ خاکہ نگاری کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ خاکہ نگاری ادب کی صنف ہے جس میں شخصیتوں کی تصویریں اس طرح براہِ راست کھینچی جاتی ہیں کہ ان کے ظاہر اور باطن دونوں قاری کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پڑھنے والے نے صرف قلمی چہرہ دیکھا ہے بلکہ جیسے وہ اس شخصیت سے براہِ راست ملا ہو۔

علی رضا احمد نے اپنے مضامین کے اندر شخصی موضوع خاص عنایت سے نوازا ہے وہ شخص کے حالات وسکنات سے باخوبی واقف ہیں۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ اس شخص کے تعلقات کو بیان کرتے ہیں اور اس پر طنز اور مزاح کی ملی جلی کاٹ لگاتے ہیں تاکہ قاری ان کی اس ملی جلی کیفیت سے لطف اندوز ہو مثال دیکھیے:

''فیصل آباد سے اگر آپ ساہیوال کی طرف آئیں تو ساہیوال آنے سے دو کلومیٹر پہلے ایک کوٹ الہٰ دین کی بستی آتی ہے، بس اسی میں چراغ صاحب کا دولت کدہ ہے اور چراغ صاحب الہٰ دین کے نام سے اسی وجہ سے نہ صرف مشہور ہیں بلکہ اسی کا کام بھی دے سکتے ہیں۔''۲۶؎

''چاچے چراغ کو تو آپ ابھی نہیں بھولے ہوں گے..... وہی موٹے تازے باسی چاچا چراغ.....موٹے کیسے نہ ہوں بس کھاتے ہی جاتے ہیں۔ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد میں ان کی باوفا بیوی ان کی گردن اور گالوں کی مالش کرتی ہے کیونکہ کھاتے کھاتے ان کے منہ کی کمانیاں بالکل اٹک جاتی ہیں۔''۲۷؎

''ہمارے ڈسٹرکٹ میں ایک بہت بڑے زمیندار یعنی "FewDul"

لارڈ رہتے ہیں۔ ہر قسم کا الیکشن سانپ کی طرح لڑتے ہیں..... ان کا مشہور نام تو ''پیر برنارڈ شاہ'' ہے۔ کسی نے ان کے کان میں ازراہِ مشورہ کہا کہ شاہ جی آپ اگر اپنا دیسی نام چھوڑ کر اور اس ذرا سا ولایتی سے نام میں تبدیل کر کے ''پیر برنارڈ شاہ'' رکھ لیں تو آپ کو ووٹ بھی ایسے پڑیں گے، جیسے تھانے میں چور کو سپاہی۔ چونکہ ان پیر صاحب کو کلمہ بھی صحیح سے نہیں آتا۔'' ۲۸؎

علی رضا احمد کے موضوعات میں ہمیں بہت زیادہ تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ بات سے بات نکالنے کے فن کو جانتے ہیں جس بھی موضوع پر لکھنا شروع کرتے ہیں ان کا قلم رواں ہوتا چلا جاتا ہے اور تحریر ایک کہانی کی مشکل میں تیار ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ ہر معاشرتی اور معاشی اور سیاسی برائی کو انھوں نے اپنے مضامین کے اندر بہت زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی نہ صرف کوشش کی ہے بلکہ اس کا حل تلاش کر کے بھی دیا ہے۔ جیسا کہ ان کا اگلا موضوع پیشہ ورانہ موضوع ہے جس میں انھوں نے لوگوں کے اپنے پیشے کے ساتھ مخلص نہ ہونے کے باعث ہونے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔

کسی بھی پیشے سے منسلک ہونے کے بعد اہم مرحلہ صرف پیسے کمانا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کو اختیار کرنے سے پہلے جو آپ حلف اٹھاتے ہیں اس پر عمل درآمد کرنا ہوتا ہے۔ اپنے پیشے کے ساتھ سب سے زیادہ ناانصافی ڈاکٹری کے شعبے میں ہوتی ہے جس میں عوام کی خدمت کے پردے میں اپنی جیب کی پردہ پوشی ہو رہی ہوتی ہے اس حوالے سے علی رضا احمد ہمارے سامنے کن کن پہلوؤں کو کھول کر بیان کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''مریضوں کیلئے اتنے اچھے اخلاق کے مالک ہیں کہ اگر یہ کسی مریض کیلئے بتیسی تیار کریں تو اسے کم از کم ایک ہفتہ اپنے منہ میں لگا کر ٹیسٹ کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ان کے ایک مریض نے شکایت کی کہ آج کل ہیپاٹائٹس بیماریاں بہت تیزی سے پھیل رہی ہیں لیکن آپ کے دانتوں کا

معائنہ کرنے والے اوزار بہت گندے ہو رہے ہیں۔ان کی صفائی کا کوئی انتظام نہیں۔ڈاکٹر صاحب نے منہ کو فوراً غصے سے صاف کیا اور فرمایا کہ ''مجھے مہینوں سے ان کی شکایت کسی نے نہیں کی اور تم آئے بڑے صفائی پسند''۲۹۔

''حکیم صاحب بھی ذرا فریفتہ مزاج واقع ہوئے ہیں۔مریض کو دلچسپی کی بجائے'' Kill چسپی'' سے دیکھتے ہیں۔چنانچہ کسی کے سر پر سٹیتھوسکوپ رکھی ہوتی ہے اور کسی کے گھٹنے پر۔چنانچہ کلینک میں اگر کسی کو مچھر کاٹ لے تو ایکسرے بھی تجویز کر دیتے ہیں۔''۳۰۔

ہم جس دور میں رہ رہے ہیں وہ سائنسی دور ہے آج سائنس نے جتنی ترقی کر لی ہے موجودہ دور اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔خدا نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو لاتعداد ذہنی خوبیاں بخشی ہیں۔انسان نے اپنی ذہنی خوبیوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے چھوٹی چھوٹی ایجادات کے ذریعے اس دنیا کو طلسماتی دنیا میں بدل دیا ہے۔قدیم زمانے کے لوگ اگر اس دور میں سفر کریں تو ان کے اوسان خطا ہو جائیں گے وہ لوگ گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کیے جاتے تھے۔آجکل کے انسان نے ہواؤں اور سمندروں پر حکومت کر لی ہے۔ایک زمانہ تھا جب گھڑسوار ایک جگہ سے دوسری جگہ پیغام لے جایا کرتے تھے۔اب انسان کو ٹیلیفون، ٹیلی گراف، ٹیلکس اور فیکس جیسی سہولیات میسر ہیں۔سائنسی ایجادات نے طبی دنیا میں ہلچل مچا دی ہے۔اب تو سرجری کے ذریعے انسان کی پیوندکاری کا کام شروع ہو چکا ہے کسی زمانے میں سورج ہی روشنی فراہم کرنے کا واحد ذریعہ، بجلی ہماری زندگی کا حصہ بن چکی ہے۔سائنس نے جہاں انسان کو آسائش فراہم کی ہیں، جس کی وجہ سے انسان کے لیے کچھ قباحتیں بھی پیدا ہو گئی ہیں۔

علی رضا احمد نے سائنس کے کرشموں پر بھی اپنے طنز و مزاح کے فن کا لوہا منواتے ہوئے نظر آتے ہیں۔پرانے زمانے میں انسان حیوانوں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور تھا کیونکہ وہ شعور سے ناآشنا تھا۔علی رضا احمد سائنس کے ساتھ ساتھ سائنسدانوں پر بھی گہری ضرب لگاتے ہیں۔وہ

لکھتے ہیں:

''سائنسدانوں نے ابھی تک ایسا کوئی ترازوں ایجاد نہیں کیا جو بات کو کرنے سے پہلے تول سکے.....ان گورے سائنسدانوں کو شاید معلوم نہیں کہ ان سائنسی ایجادات کا سب سے زیادہ فائدہ مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے اور وہی سب سے زیادہ ان ایجادات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔''۳۱؎

علی رضا احمد کے موضوعات صرف معاشی، معاشرتی ملکی اور سیاست کے گرد ہی نہیں گھومتے ہیں بلکہ وہ معاشرے حتیٰ کہ دوسرے ممالک کی انڈسٹریز سے بھی باخوبی واقف ہیں اور گاہے گاہے ان پر طنز کے نشتر برساتے رہتے ہیں وہ نا صرف پاکستانی انڈسٹری کا ذکر کرتے ہیں بلکہ بالی وڈ اور ہالی وڈ انڈسٹری کا ذکر بھی بڑے کھلے انداز میں کرتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے قلم کے ذریعے سے بالی وڈ اور ہالی وڈ میں جس طرح کا ذریعہ معاش اپنایا ہے وہ قابلِ مذمت ہے وہ رقم طراز ہیں:

''اگر ہماری حکومت فلمی صنعت کو ترقی دے کر انڈسٹری بنا دے تو بھی بے روزگاری کا Chronic مسئلہ حل ہوسکتا ہے بلکہ نوجوان بغیر تنخواہ کے ہر اس فلم میں کام کرلیں گے جس میں کوئی بھی کام نہ کرنے کی پہلی شرط ہو، بالکل اداکار کمال کی طرح یعنی: جو کچھ نہیں کرتے ''کمال'' کرتے ہیں۔''۳۲؎

تلاشِ معاش انسان کے لیے سب سے زیادہ پریشانی اور فکر کا سبب ہوتا ہے۔ جن کے پاس روزگار تھا اب وہ لوگ مزید اچھے روزگار کی تلاش میں ہیں۔ چار عناصر روزِ ازل سے ہی انسان کے لیے مسئلہ بنے رہے ہیں بے روزگاری، بے وفائی، مہنگائی اور لڑائی.....

ان چار مسائل سے لڑنے کے لیے انسان ایک پانچویں راہ اختیار کرتا ہے وہ ذہنی سکون کے لیے ایسا راستہ اختیار کرتا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں اس کے لیے تباہی کا سبب بنتا ہے۔ علی رضا احمد اس راہ کو اپنے مضامین میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''ایک کردار جو مجرا سننے کے لیے ایک کوٹھے پر آتا ہے اس کا استقبال کرنے والا اس یوں گویا ہوتا ہے'' آیئے چودھری صاحب یہاں بیٹھیں اسے اپنا ہی گھر سمجھ کر بیٹھیں۔''۳۳؎

علی رضا احمد نے اپنے مضامین میں بالی وڈ، لالی وڈ اور ہالی وڈ تینوں کو گہری تنقید اور ترش طنز کے کٹہرے میں کھڑا کیا ہے۔ بھارت نے ہولی وڈ کے مقابلے میں اپنا ''بالی وڈ'' بنالیا ہے اور پاکستان پہلی ہی نقالوں میں ہوشیار ہے اس نے ''بالی وڈ'' کے مقابلے میں اپنا ''لالی وڈ'' بنالیا ہے۔ ہمارے ہاں نقل کی تیسری کاپی ہونے کی وجہ سے فلم اپنی اصل منزل کی طرف گامزن ہوتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی۔

علی رضا احمد رقمطراز ہیں:

''بھارتی اور پاکستانی فلم انڈسٹری کے متعلق آپ نے کچھ اور معاملات پر بھی غور کیا ہوگا، کہ ادھر راج ببر کو کاسٹ کروایا گیا ہو تو اِدھر بابرہ راج سکرین ہلا کر رکھ دے گی۔ اگر ادھر دلیپ کمار کو کاسٹ کرلیا جائے تو اِدھر عارف لوہار کی ضرورت محسوس ہوگی..... اور اگر ادھر ''ہیما ماں لینی'' جلوہ افروز ہوتی ہے اِدھر ریما مالینی کی انٹری کردی جاتی ہے، بالکل ایسے جیسے رینا رائے کے بھائی شہزاد رائے کی ہوئی یعنی یہ دونوں انڈسٹریاں اندر سے ایک دوسرے کی ''جیا برادری'' ہی لگتی ہیں اور ہماری انجمن ان دونوں پر بھاری ہیں۔''۳۴؎

علی رضا احمد بھارتی فلم انڈسٹری کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں کہ اس میں جب تک بے باکی کا عنصر شامل نہ ہوگا تب تک ان کی فلم سپرہٹ نہیں کہلائے گی جس کا ذکر وہ اپنی کتاب میں ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''بارش میں ایک دفعہ ہیروئن کو نہلانا فلم کی کامیابی کے لئے ایک ٹونا سمجھا جاتا ہے جو کہ ہر ہدایت کار ضرور سرانجام دیتا ہے۔ ''سوٹا'' چلانے کا منظر

ہیروئن کو ولن سے بچانے کے لئے ضروری ہوتا ہے اور اگر ہیروئن بچ جائے تو ناظرین خود ہی خوش ہو جاتے ہیں۔'' ۳۵؎

علی رضا احمد ایک ایسے مزاح نگار ہیں جنہوں نے نہ صرف معاشرتی برائیوں، شخصی موضوع، ذات اور شاعروں پر ہی طنز کیا بلکہ وہ اپنے اندر انسانیت سے دردمندی، ہمدردی والا دل بھی رکھتے ہیں جس میں وہ بچوں کا ذکر کرتے ہیں۔ بچے تو معصوم اور نازک پھول کی طرح ہوتے ہیں جو ہر طرف پیار کی متلاشی ہوتے ہیں وہ اپنے چار سو محبت کی تلاش کرتے ہیں انھوں نے ''چائلڈ لیبر'' کے نام سے اپنا ایک مضمون لکھا اور اس کے اندر بچوں کی نفسیات کا ذکر کیا اور ان کے ساتھ معاشرہ اور دوسرے ممالک میں لوگ کس طرح برتاؤ کرتے ہیں اس پورے منظر نامے کو طنز و مزاح کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اگر ایک ''صحیح العقیدہ'' استاد ہے تو وہ اپنے شاگردوں کو اپنے مفاد کی خاطر استعمال کرنے میں دریغ نہیں کرے گا۔

مثال ملاحظہ ہو:

''ہمارے دیہات کے کسی سکول کا دورہ کریں تو انھیں پتا چل جائے گا، کہ ماسٹر صاحب بچوں سے کیا کیا لیبر لے رہے ہیں۔ ایک بچہ ماسٹر صاحب کی بھینسوں کے لیے گھاس کاٹنے گیا ہوگا، تو دوسرا اس گھاس کو بھینسوں کو ڈال رہا ہوگا۔ ایک ماسٹر صاحب کی گندم پسوانے گیا ہوگا تو دوسرا روٹیاں لگوانے۔'' ۳۶؎

علی رضا احمد اپنے طنز و مزاح کے مخصوص انداز کو اپنائے ہوئے بڑھتی ہوئی آبادی کے مسائل کا احاطہ بھی کرتے ہیں اور اپنے قارئین کو قہقہے لگانے کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً:

''.....ہمارے ہاں چوتھے اور پانچویں نمبر پر پیدا ہونے والا بچہ اس لحاظ سے خوش قسمت ہوتا ہے کہ ایک تو اس میں قوتِ مدافعت بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے، کیونکہ بچے کو معمولی بات پر ڈاکٹر کو دکھانے کا شوق پہلے بچے کے بعد ہی پورا ہو جاتا ہے اور باقی بچوں میں قوتِ مدافعت خود ہی جڑ پکڑ

لیتی۔ دوسرا یہ کہ رو، رو کر ان کے پھیپھڑے خود ہی مضبوط ہو جاتے ہیں۔''۳۷؎

علی رضا احمد کے مضامین میں جہاں ہمیں حال اور مستقبل کا زمانہ دیکھنے میں ملتا ہے جس میں وہ ترقی یافتہ دور میں موجود انسانی زندگی کس برق رفتاری سے گزر رہی ہے اس پر اپنے طنز و مزاح کے فن کو اپناتے ہیں وہیں پر ان کے ہاں ہمیں ماضی پرستی کا موضوع ملتا ہے جس کے اندر وہ اپنے گزرے ہوئے وقت اور سادہ لوح انسان کی زندگی کو یاد کر کے آج کے ترقی یافتہ دور پر طنز کرتے ہوئے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''ماضی قریب کا زمانہ تھا، جب زندگی بہت سادہ تھی لوگ اکثر اکٹھے بیٹھ کر دین، دنیا، دنائی بھلائی کی باتیں کیا کرتے تھے۔ جرائم و گناہ اور دہشت گردی نام کو نہ تھی۔ لوگوں کا طرز زندگی نہایت سادہ تھی۔''۳۸؎

آج کے دور میں نفسانفسی کا جو عالم بنا ہوا ہے یہ انسانیت پر اللہ کی طرف سے آزمائش ہے آئے روز کوئی نہ کوئی حادثہ سرزد ہو جاتا ہے کسی بشر کی عزتِ نفس محفوظ نہیں ہے۔ علی رضا احمد اس نازک صورتِ حال میں بھی دردِ انسانیت جذبہ اپنے اندر کارفرماں رکھتے ہیں۔ مثال پیش ہے:

''ہر قسم کی خرافات اور غیر انسانی حرکات کو ترقی کا نام دیا جا رہا ہے اور ہم کئی ایسے کام کر رہے ہیں جن سے نسلِ انسانی شرما رہی ہے ان حالات میں ڈالر اور پونڈ کی طرح نیکیوں کا زرمبادلہ بھی قدرت کی طرف سے یقینا پہلے سے بڑھ چکا ہے جو کہ ہمارے مسلمانوں کی خوش بختی ہے.....''۳۹؎

علی رضا احمد کے مضامین میں بنیادی موضوع گھر اور رشتے ہیں۔ کسی بھی انسان کی زندگی میں رشتے بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ آج کے دور میں رشتے ہیں مگر کھوکھلے ہیں۔ بظاہر تو یہ ہمیں اپنے مخلص رشتے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ اپنے اندر بہت سے چہرے ڈھانپے بیٹھے ہوتے ہیں جو اسی صورت میں اپنا پردہ چاک کرتے ہیں جب آپ ان سے منسلک ہوتے ہیں اور کسی پریشانی سے دوچار ہو کر نام نہاد اپنوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ علی رضا احمد رقمطراز ہیں:

''سنا ہے عرب ریاستوں میں دکاندار اپنی دکانوں کی بغیر تالا بندی کیلئے نکل جاتے ہیں اور انھیں چوری چکاری کا کوئی ڈر نہیں ہوتا لیکن ہمارے تھانوں میں سپاہیوں کے سوٹ کیسوں پر تین تین ''پھولوں'' والے تالے لگے ملتے ہیں یعنی وہ آپس میں بھی ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے۔''۴۰؎

والدین کا زندگی میں ہونا ایک حسین خواب کی تعبیر ہے۔ والدین اپنے بچوں کے مستقبل کے لیے ہر آسائش فراہم کرنے میں دیر نہیں کرتے۔ علی رضا احمد نے والد کے موضوع پر لکھا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر تحریر نگار، مزاح نگار کے ہاں جو موضوعات ہمیں ملتے ہیں ان میں ماں کی عظمت کا ذکر ہوتا ہے کہیں پر بھی باپ کی محنت و مشقت اور اسکا اپنی اولاد کے لیے خود کو فراموش کر دینا کسی زمرے میں نہیں آتا۔ اگر ماں کے قدموں تلے جنت ہے تو باپ بھی اس جنت کا دروازہ ہے۔ جنت تک پہنچے کیلئے دروازہ پار کرنا نہایت ضروری ہے۔

علی رضا احمد اپنے مضمون ''باپ'' میں رقمطراز ہیں:

''باپ کی دعا اولاد کے حق میں فوراً قبول ہوتی ہے۔ اولاد کے لیے معمولی انسان بھی غیر معمولی باپ کا کردار ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد ترقی کرتے کرتے ساری دنیا بلکہ باپ کو بھی پیچھے چھوڑ دے اس لیے وہ نصیحت اور تدبر کا سہارا لیکر بچوں کو اپنی صحیح راہ متعین کرنے سے آگاہی دیتا رہتا ہے۔''۴۱؎

خطا کرنا اور پھر اس پر ڈٹے رہنا خطا سے بھی بڑی خطا ہے۔ بہترین انسان وہ ہے جو غلطی پر ہونے کی وجہ سے معافی مانگے کیونکہ انسان خطا کا پتلا ہے۔ علی رضا احمد کے موضوعات میں اس موضوع کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے انھوں نے اپنے مضامین میں جن جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے ان کی اہمیت اور قدر و قیمت کو مزید بڑھا دیا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

''خطا ہونا اور خطا کھانا انسان کی فطرت میں شامل ہے لیکن خطا کاری

ایک اختیاری امر ہے۔جس کی گریہ وزاری کے بغیر معافی نہیں۔''۴۲؎

کسی بھی مزاح نگار کے لیے اپنی ذات پر طنز کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا ہے اس کے لیے بڑی ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔علی رضا احمد جہاں دوسروں پر طنز کرتے اور مزاح کا ایک عنصر اس میں قائم رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں ویسے ہی وہ خود کی ذات پر بھی طنز کرنے سے باز نہیں آتے بلکہ بڑے فخریہ انداز میں اس کو قبول کرتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

''میں نے سنا تھا کہ مزاح لکھنا مشکل ترین کام ہے۔لیکن میرا تجربہ ہے کہ یہ ہر اس شخص کے لیے بہت آسان ہے جو اندر سے نہایت غمگین، مسکین اور نمکین ہوتا ہے۔مزاح لکھنے کے لئے دل بھی چاہئے ہوتا ہے اور دماغ بھی! بلکہ ان دونوں کی آپس میں ہم آہنگی ضروری ہوتی ہے، کیونکہ مزاح ایک مخصوص ٹائمنگ سے پیدا ہوتا ہے۔لیکن میں نے مزاح صرف اس لیے لکھنا شروع کیا کہ اس کا میدان بڑا وسیع ہے۔''۴۳؎

ایک اور جگہ پر اسی پہلو کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مزاح نگار کو چغلی کی بہت عادت ہوتی ہے اس سلسلے میں اسے قلم، کنایہ اور کلام کے تمام طریقوں سے سہارا س لینا پڑتا ہے۔لہٰذا اسے گناہوں کو آہیل مجھے مار کہنا پڑتا ہے۔وہ لوگوں کی چغلیاں کرتا رہتا ہے اور اس طرح اس کے دشمنوں کی آفزائشِ نسل بھی جاری رہتی ہے اور مزاح نگار گناہ نگار بنتا چلا جاتا ہے۔''۴۴؎

علی رضا احمد کی مہارت یہ ہے کہ انھوں نے مزح نگاری میں ''اقوال زریں'' کی بجائے ''اقوالِ شریں'' کو نہ صرف متعارف کروایا بلکہ اپنے قارئین کی دلچسپی کا خیال رکھتے ہوئے اس میں مزاح پیدا کونے کی کوشش کی ہے۔جب ہم کسی نصیحت کو پڑھتے جو کہ ''اقوالِ زریں'' یا ''انمول باتوں'' کے عنوان سے ہمیں جابجا ملتی ہیں تو نصحیتوں کو پڑھ پڑھ کر طبیعت اکتاہٹ کا شکار ہو جاتی ہے لیکن جب اسی چیز کو ایک نئے پہلو میں اور ایک الگ رنگ میں بیان کیا جائے گا تو

اس سے ایک نیا لطف پیدا ہو جاتا ہے جس سے نصیحت اور تربیت ڈھکے چھپے الفاظ میں ہم تک پہنچ جاتی ہے اور ایک لمبے عرصے تک ہم اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔ ان کی کتاب ''دھجی آں'' میں اقوالِ شیریں کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

''☆ جھوٹ تو گونگے بھی نہیں بولتے

☆ درندے اپنی اولاد کی خاطر خونخوار درندے بن جاتے ہیں۔

☆ عقل بڑی کہ انجمن

☆ پاکستانی گاڑیاں وقت کی بجائے پٹڑی پر آتی ہیں۔

☆ حکومت کرنے کے لیے ''مت'' ضروری ہے ورنہ مت کیجئے''۴۵؎

ان کی کتاب مزاح راہ میں ''اقوالِ شریں'' کی چند درج ذیل ہیں:

''☆ اگر انسان صرف تراش خراش کا ماہر ہو تو وہ انسان تہذیب کا ڈیزائن بدل سکتا ہے۔

☆ پوری دنیا کے لوگ اپنا غبار نکالنے کیلئے تقریر، تحریر یا تصویر کا سہارا لیتے ہیں۔

☆ بیوی، Boss اور بستر کا ہمیشہ خیال رکھیں۔

☆ چوروں سے چھٹکارا آسان مگر کام چوروں سے مشکل ہوتا ہے۔

☆ خواب، عقاب اور آفتاب کو کھلی آنکھ سے نہیں دیکھنا چاہتے۔''۴۶؎

ایرے غیرے میں درج ''اقوالِ شریں'' کی کچھ مثالیں پیش ہوں:

''☆ جاہل کو جلدی ہوتی ہے یعنی Idiot does immediate۔

☆ بڑھاپا بذاتِ خود ایسی کمزوری ہے، جس کے باعث بوڑھے کے رونگٹے بھی کھڑے نہیں ہو پاتے۔

☆ علم کے بغیر الم اور پرابلم ہیں۔

☆ بازوؤں پر طاقت گھٹنوں پر لعنت۔

☆ آناً فاناً گھر میں چانن۔ ۴۷؎

اپنی چوتھی کتاب مزاح مین میں جو اقوالِ شیریں لکھتے ہیں اس کی مثالیں ذیل میں درج ہیں:

☆ ڈنڈی مارنے والے سے ڈنڈا مارنے والا زیادہ قابلِ اعتبار ہوتا ہے۔

☆ ہر انسان کے نزدیک بے وقوفی اور دانش مندی کا اپنا اپنا معیار ہوتا ہے۔

☆ جو تاریخ پر نظر نہیں رکھتا وہ خود تاریخ کی نظروں میں آجاتا ہے۔

☆ کامل انسان اور کاہل انسان بھلا کیسے برابر ہو سکتے۔

☆ سانپ کو سانپ لڑے۔۔۔۔۔۔زہر کا سینہ سڑے'' ۴۸؎

علی رضا احمد کے موضوعات صرف سیاسی اور معاشرتی برائیوں تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ان کے ہاں پیشہ ورانہ موضوع، اقوالِ شریں، سائنسی موضوع اور شاعروں پر طنز و مزاح ے موضوعات جنم لیتے دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے معاشرے میں پھیلی ہر کج روئی اور بدعنوانی پر ایک ہوش منداور زیرک انسان کی طرح نگاہ رکھی ہے۔

ان کی تحریروں میں ہمیں تنوع ملتا ہے اور موضوعات کی وسعت ملتی ہے۔ عطاالحق قاسمی رقمطراز ہیں:

> ''علی رضا کی تحریر میں اتنی طاقت اور توانائی ہے کہ اس کے لکھے ہوئے کئی فکاہیہ کالم ادب میں جگہ پانے ے قابل ہیں اور ادب کی زندگی ایک دن کی نہیں ہوتی۔ ٹوٹا پھوٹا مزاح میں بھی لکھ سکتا ہوں اور مزاح لکھنے والے کو گدگدی کرنا کوئی مشکل کام بھی نہیں لیکن علی رضا احمد نے کچھ ایسی ترکیبیں وضع کی ہیں کہ لبوں پر تبسم آئے بغیر رہ نہیں سکتا۔'' ۴۹؎

علی رضا احمد کے موضوعات میں طنز کے ساتھ ساتھ شگفتگی اور برجستگی کا عنصر بھی ملتا ہے۔ ضیاالحق قاسمی رقمطراز ہیں:

> ''علی رضا احمد کے مضامین پڑھے۔ شگفتگی اور برجستگی کا احساس ہوا۔ یہ

ابھی نوجوان ہیں توقع کی جاسکتی ہے کہ علی رضا احمد اپنے وقت کے ایک معتبر مزاح نگار ہوں گے۔ ان کے قارئین اور نقادان کی تحریروں کو پسندیدگی کا سرٹیفکیٹ دیں گے۔ان کی تحریروں میں ایک مکمل مزاح نگار کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔''۵۰؎

علی رضا احمد کے کچھ موضوعات طنز کی کاٹ سے بھی بھرپور ہیں لیکن کچھ کا مقصد صرف قاری کے لیے لطف و مسرت اور تفریح کا سامان مہیا کرنا ہے۔ان کی تحریریں قاری کو اپنے حصار میں لیے ہوئے ہیں۔ جہاں پر تھوڑا طنز ترش ہو جائے وہیں پر وہ مزاح سے مرہم پٹی شروع کر دیتے ہیں اور اس کی شدت میں کمی واقع ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپی کا عنصر غالب رہتا ہے۔ انہوں نے اپنی تحاریر کے متعلق ایک راز سے پردہ اس شعر کے ذریعے اٹھایا ہے؎

یہ کتابیں میرا کلی نکتہ نظر نہیں ہیں
ان میں کئی لفظوں کے نقطے ہیں اوپر نیچے

حوالہ جات

۱۔اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر۔اُردو نثر میں طنز و مزاح۔لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲

۲۔اعجاز حسین سید، ڈاکٹر۔ ہنسنے کی ابتدا اور اہمیت مشمولہ نقوش طنز و مزاح نمبر (۲۷۔۷۱)۔ لاہور: ادارہ فروغ اُردو، جنوری، فروری، ۱۹۵۹ء، ص ۱۱

۳۔عبدالغفور، خواجہ۔طنز و مزاح کا تنقیدی جائزہ۔نئی دہلی: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، جون ۱۹۸۳ء، ص ۱۴

۴۔فرمان فتح پوری، ڈاکٹر۔اُردو کی ظریفانہ شاعری۔نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء، ص ۱۴

۵۔راقمہ کا شیخ صدیق سے انٹرویو، ۲۸ جون ۲۰۲۱ء

۶۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۱۴ء، ص ۳۷

۷۔ایضاً، ص ۳۸ ۸۔ایضاً، ص ۶۴

۹۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔لاہور: القمر انٹر پرئزز، ۲۰۱۸ء، ص ۴۷ ۱۰۔ایضاً، ص ۹۶

۱۱۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔لاہور: علی میاں پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص ۴۰

۱۲۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۱۴۶

۱۳۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۸۶

۱۴۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۹۲

۱۵۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۹۹

۱۶۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۱۲۶

۱۷۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۱۰۵

۱۸۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۸۴

۱۹۔القرآن کریم۔سورۃ الحجرات، پارہ ۱۳، آیت ۴۹

۲۰۔محمد الدین فوقؔ۔تواریخ اقوامِ کشمیر۔سرینگر: گلشن پبلشرز، جنوری ۱۹۹۴ء، ص ۲۸۸

۲۱۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳

۲۲۔ایضاً، ص ۳۴

۲۳۔ایضاً

۲۴۔علی رضا احمد۔ایرے غیر۔ص ۱۶

۲۵۔ایضاً، ص ۱۷

۲۶۔ایضاً، ص ۲۸

۲۷۔ایضاً، ص ۲۷

۲۸۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۸۴

۲۹۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۲۸

۳۰۔ایضاً،ص ۱۸

۳۱۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۹۵

۳۲۔ایضاً،ص ۹۳

۳۳۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۹۱

۳۴۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۱۱۰

۳۵۔ایضاً

۳۶۔ایضاً،ص ۱۲۷

۳۷۔ایضاً

۳۸۔ایضاً،ص ۱۳۵

۳۹۔ایضاً

۴۰۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۲۷

۴۱۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۱۴۲

۴۲۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۵۶

۴۳۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۱۵۱

۴۴۔ایضاً،ص ۱۵۲

۴۵۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶

۴۶۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴

۴۷۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷

۴۸۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹

۴۹۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۱۲

۵۰۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔سرورق

مس ہادیہ سحر (مقالہ نگار)

ڈاکٹر عائشہ عظیم (نگران مقالہ)

پروفیسر ڈاکٹر صائمہ جبیں (مترجم)

علی احمد صابری (علی رضا احمد کے والد)

علی رضا احمد

علی رضا احمد اپنی اہلیہ نبیلہ علی رضا کے ہمراہ

نبیلہ علی رضا (اہلیہ)

خلدون علی رضا (بیٹا)

ماہ نور فاطمہ (بیٹی)

مس ماہِ یمین آمنہ (بیٹی)

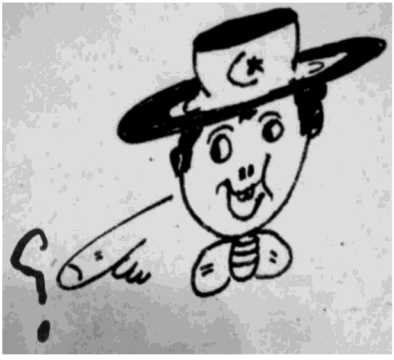

فائق علی رضا معروف مزاح نگار عطاء الحق قاسمی کے ہمراہ

علی رضا احمد کا سمبا لک مارک

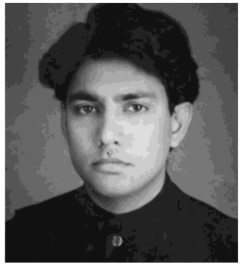

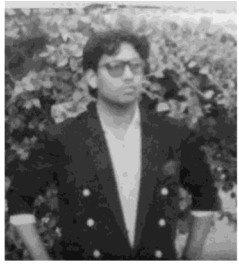

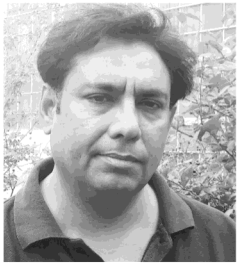

علی رضا احمد (زندگی کے مختلف مراحل میں)

جاوید اقبال (کارٹونسٹ) اور قمر شکیل کے ہمراہ

یونس بٹ اور عطاء الحق قاسمی کے ہمراہ

گل نوخیز اختر، ناصر محمود ملک، شاہد نذیر چوہدری اور اشرف شریف کے ساتھ

علی رضا احمد اور دیگر ادبی شخصیات کا گروپ فوٹو

علی رضا احمد کی کتاب مزاح راہ کی تقریب رونمائی

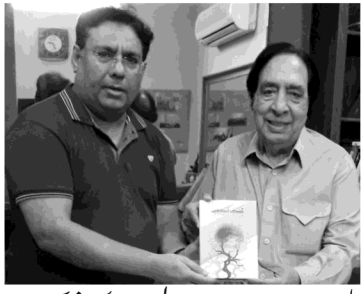

علی رضا احمد اپنی کتاب عطاء الحق قاسمی کو پیش کرتے ہوئے

علی رضا احمد، ڈاکٹر اے ڈی نسیم کے ہمراہ

دبئی کے ادبی دورے کے دوران علی رضا احمد احباب کے ہمراہ

باب سوم

علی رضا احمد کی مزاح نگاری کا فنی جائزہ

انسانی زندگی میں اتار چڑھاؤ کی طرح ادب میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔اُردو ادب کی مقبول ترین صنف مزاح نگاری فنی حوالوں سے اپنی جداگانہ شناخت رکھتی ہے۔مزاح نگاری نے ہر دور کے تقاضوں کا ساتھ دیا ہے اور فنی و اسلوبیاتی تبدیلیوں کو بھی قبول کیا۔علی رضا احمد ایسے مزاح نگار کے طور پر ادبی دنیا کا حصہ بنے جنھوں نے اپنے مزاح کے فنی و اسلوبیاتی پہلوؤں کو روشناس کروایا اور اس کی بدولت قارئین اور دوسرے مزاح نگاروں کو اپنے ہونے کا احساس دلایا۔انھوں نے اپنی فنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنا عمدہ مزاح تخلیق کیا ہے۔

اسلوب کسی بھی ادیب یا شاعر کے نفیس انداز کو کہتے ہیں۔اسلوب ہی کے ذریعے ہم کسی بھی ادیب کی تخلیقی دریچوں تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔اسلوب ایک ادیب کی مسلسل ریاضت کا نام ہے، جو اسکی ذات کے حسن سے تشکیل پاتا ہے۔اسلوب کسی تخلیق کار کے ذہن میں اُبھرنے والے خیالات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ہر مصنف کا اسلوب دوسرے سے منفرد ہوتا ہے۔اسلوب کے لیے قلبی واردات، راستہ، اندازِ بیان، طرزِ روش اور پیرانہ گفتار کا استعمال ہوتا ہے۔

سید عابد علی عابد اپنی کتاب ''اسلوب'' میں رقم طراز ہیں:

> ''اسلوب سے مراد کسی لکھنے والے کی وہ انفرادی طرزِ نگارش ہے جس کی بنا پر وہ دوسرے لکھنے والوں سے ممیز کیا جاتا ہے۔''[۱]

مختلف ادیبوں نے اسلوب کی تعریف کچھ یوں کی ہے۔''اسلوب اور اسلوبیات'' میں طارق سعید رقم طراز ہیں:

> ''جس طرح پھول کی پہچان خوشبو سے ہے اِسی طرح فنکار کی پہچان اس کا

اسلوب ہے۔''۲؎

نصیر احمد خان ''ادبی اسلوبیات'' میں اسلوب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسلوب انگریزی لفظ ''سٹائل'' کے مترادف ہے جس سے مراد ایک ایسی طرزِ تحریر ہے جو ہر اعتبار سے منفرد ہو جو ادیب یا شاعر کی شخصیت کی مظہر ہو جو خارجی لسانی پہلوؤں کے علاوہ فنکار کے اندازِ بیان، اندازِ فکر اور اندازِ تخلیق کی نمائندگی کرے۔''۳؎

ڈاکٹر اختر اپنی کتاب ''تنقیدی اصطلاحات'' میں اسلوب کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''اسلوب کے معنی انگریزی اصطلاح میں ''سٹائل'' دراصل لاطینی لفظ "Stilus" سے مشتق ہے.....اس کی سادہ اور مختصر ترین تعریف کسی شاعر یا نثر نگار کا مخصوص اندازِ نگارش کی جاسکتی ہے۔''۴؎

کچھ ناقدین نے اُسلوب یونانی لفظ Stilus سے ماخوذ کیا ہے جو ہاتھی دانت، لکڑی کی تختیوں پر حروف والفاظ یا نقوش کندہ کیے جاتے ہیں۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ اس کی اصل Stylus ہے۔

Dictionary of Phrase & Fable میں لفظ اسٹائل کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

"Style is form the Latin style (an iron pencil for writing on waxen tablets, etc). The characteristics of a person's writing is called his style. Metaphorically it is applied to composition and speech. Good writing is stylish, and metaphorically, smartness of dress and deportment is so called."۵؎

یہ بات واضح ہے کہ بہترین لباس، خوش نما تحریر، مفید قبول، خوبصورت انداز اسلوب کا دائرہ ہوتے ہیں۔ تراش خراش کے بعد جیسے مصور دلکش مجسمہ بناتا ہے اسی طرح اسلوب بھی ایک فن ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی رقمطراز ہیں:

''اُسلوب یا طرز نگار کا مسئلہ ایسا نہیں جس پر کوئی فیصلہ کن اور دوٹوک بات کہی جا سکے۔ آسان لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ افکار و خیالات کے اظہار و ابلاغ کا ایسا پیرایہ ہے، جو دل نشین بھی ہو اور منفرد بھی۔ اسی کو انگریزی میں Style کہتے ہیں۔ اُردو میں اس کے لیے ''طرز'' یا ''اسلوب'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ عربی اور جدید فارسی میں ''سبک'' کہتے ہیں۔ ان الفاظ کی اصل پر غور کرنے سے یہی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلوب میں ترصیع یا صناعی (Ornamentation) کا مفہوم شامل رہا ہے۔''۶؎

شفقت حسین لکھتے ہیں:

''اُسلوب کی اصطلاح ایک ایسی فنی اصطلاح ہے، جو نہ صرف زبان کے حسن کو بیان کرتی ہے، بلکہ فن کار کی شخصیت اور اس کے مضمون، اس کے معاشرتی تعصّبات، جذباتی، محرکات، تہذیبی اثرات، تمدنی نقوش، علمی و ادبی محرکات وغیرہ کا بھی احاطہ کرتی ہے۔''۷؎

اُسلوب تخلیق کار کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا اندازِ تحریر ہوتا ہے۔ اس انداز کی بدولت وہ دوسرے ادیبوں سے ممتاز اور منفرد نظر آتا ہے۔ ایک تخلیق اپنے اسلوب کی وجہ سے اپنے معاصر تخلیق کاروں سے مختلف دکھائی دیتا ہے۔ ادیب جس معاشرے یا ماحول میں رہتا ہے اس کا اسلوب بھی اس ماحول کی عکاسی کرتا ہے۔ بقول ابوالاعجاز حفیظ صدیقی:

''اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقہ، ادائے مطلب یا خیالات و جذبات کے اظہار و بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف

کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت (انفرادی خصوصیت) کے شمول سے وجود میں آتا ہے اور چونکہ مصنف کی انفرادیت کی تشکیل میں اس کا علم کردار، تجربہ، مشاہدہ، افتادِ طبع، فلسفۂ حیات ارطرزِ فکر و احساس جیسے عوامل مل جل کر حصہ لیتے ہیں۔ اِس لیے اسلوب کو مصنف کی شخصیت کا برتو اور اس کی ذات کی کلید سمجھا جاتا ہے۔''۸؎

علی رضا احمد کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے تخلیقی ادب سے قارئین کو محفوظ کیا ہے۔ ان کا اسلوب انفرادیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ علی رضا احمد کے اسلوب میں مزاح کے تمام فنی لوازمات بدرجہ اُتم موجود ہیں۔ انھوں نے اپنے فن کے ذریعے اُردو ادب میں جو افادیت پیدا کردی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

علی رضا احمد کا تعلق براہ راست ادب سے وابستہ نہیں۔ یہ فن انھیں وراثت میں ملا۔ ان کے والد کا حلقہ احباب منیر نیازی سے ملتا ہے اور اسی تعلق نے علی رضا احمد کو ادب کے ساتھ جوڑ دیا۔ جیسے دیگر مصنفین اور ادیب اُردو ادب میں صرف ایک صنف پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنے فن کے دامن کو دیگر اصناف تک وسیع کرتے ہیں اسی طرح علی رضا احمد نے بھی مزاح کے علاوہ اُردو ادب کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔

اشعار کا برمحل استعمال نثر کو دلکش بنا دیتا ہے۔ نثر چاہے سنجیدہ ہو یا مزاحیہ اشعار کا استعمال اس کی چاشنی کو نہ صرف برقرار رکھتا ہے بلکہ اسے پُرلطف بناتا ہے۔ ان کا شعری ذوق تحریروں میں کہیں کہیں جلوہ گر ہوتا ہے۔

علی رضا احمد کے اسلوب کی خاصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے مزاحیہ مضامین میں نا صرف اپنے اشعار کا برمحل استعمال کیا ہے بلکہ دوسرے شعراء کے اشعار بھی شامل کیے ہیں۔ ان کی تحریروں میں موجود شعری مثالیں ملاحظہ ہوں:

؎ مکڑا کرتا ہے جالے کی سازش
تا کہ پھنس جاؤں اس میں با خواہش ۹؎

؎ تن کا اجلا من کا کالا ذات کا بگلا ''نیک''
تجھ سے تو کاغا اچھا جو اندر باہر ایک ۱۰؎

؎ میری غربت سے نہ گھبرا کہ میں وہ مٹی ہوں
اس کو کھودا ہو کسی نے تو خزانہ نکلا ۱۱؎

؎ گزری سیاہ کاری میں یا رب تمام عمر
آدھی شباب میں گئی آدھی خضاب میں ۱۲؎

؎ میں اپنے فائدے سب ڈال دوں گا اس کی جھولی میں
مگر اوصافؔ بدلے میں خسارے لے کے آؤں گا ۱۳؎

؎ کہو دن کی ، سنے رات کی
کہو کھیت کی ، سنے کھلیان کی ۱۴؎

؎ تنگ دستی اگر نہ ہو غالب
تندرستی ہزار نعمت ہے ۱۵؎

؎ نہ آنا ہماری قبر پہ ہمراہِ رقیباں
ہم مسلماں مُردوں کو جلایا نہیں کرتے ۱۶؎

؎ جن کے ہونٹوں پہ ہنسی پاؤں میں چھالے ہونگے
ہاں وہی لوگ مجھے ڈھونڈنے والے ہونگے ۱۷؎

؎ زندگی تو نے مجھے قبر سے کم کر دی ہے جگہ
پاؤں پھیلاؤں تو دیوار سے سر لگتا ہے ۱۸؎

؎ بارش شرابِ عرش ہے یہ سوچ کر عدمؔ
بارش کے سب حروف کو الٹا کے پی گیا ۱۹؎

؎ ایک وہ ہیں کہ جنہیں تصویر بنا آتی ہے
ایک ہم ہیں کہ لیا صورت کو اپنی بگاڑ ۲۰؎

؎ اس کی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر
یہ تو اچھا ہے انگور کے بیٹا نہ ہوا ۲۱؎

؎ ساقی کا دل نہ توڑیں گے ترک شراب سے
حاصل کسی طرح سے ہو غرض ہے ثواب سے ۲۲؎

؎ ہم تو سمجھے تھے کہ برسات میں برسے گی شراب
آئی برسات تو برسات نے دل توڑ دیا ۲۳؎

علی رضا احمد کی شاعری سے دلچسپی ان کے مضامین میں جا بجا دکھائی دیتی ہے۔ علامہ اقبالؔ، غالبؔ، منیرؔ نیازی، شکیل قمر، عطاء الحق قاسمی، گل نوخیز اختر اور ظفر اقبال جیسے نہ جانے اور

کتنے ہی عظیم شاعروں کے برمحل اشعار سے ان کی تحریریں بے حد رنگین اور شگفتہ ہو جاتی ہیں۔ عہدِ قدیم کے ساتھ ساتھ عہدِ جدید کے شعراء کے خوبصورت اشعار بھی ان کی تحریر کی زینت ہیں۔ انھوں نے اشعار کے ساتھ شعراء کا نام بھی تحریر کیا ہے۔

علی رضا احمد چونکہ خود بھی شاعر ہیں اور شعری ذوق پر مکمل ندرت رکھتے ہیں لہٰذا ایسا کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے اشعار کا برمحل استعمال مزاحیہ مضامین میں نہ کریں۔ انھوں نے موضوعات کی نسبت سے اشعار تحریر کیے ہیں۔ ان کے اشعار غیر ضروری نہیں بلکہ اس کی مدد سے اپنی بات میں انبساط کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ علی رضا احمد کے اشعار بھرتی کے نہیں بلکہ حقیقت کی عکاسی سے ہمکنار ہیں۔ اپنی باتوں کی وضاحت اپنے ہی اشعار سے کرتے نظر آتے ہیں۔ کسی بھی تخلیق کار کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے مضامین میں دوسرے شاعروں کے اشعار کے ساتھ اپنی شاعری کی بھی خامہ فرسائی کرے اور یہی خاصیت علی رضا احمد کو دوسرے مزاح نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔ علی رضا احمد اپنی مزاحیہ تصانیف میں نِدا تِ خود کے اشعار سے رہنمائی حاصل کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً:

؎ ساری دنیا ہی یوں تو بولے جھوٹ
پر نہیں بولتے ہیں گونگے جھوٹ ۲۴؎

؎ عقل نہیں تو دوستو
جھوٹ ہے سچ کا رشتہ دار ۲۵؎

؎ ان کے گھر میں سکوں آ کے ٹھہرا
وہ خود گونگی مگر خاوند بھی بہرا ۲۶؎

علی رضا احمد نے جہاں اُردو کے قدیم اور موجودہ عہد کے شعراء کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں وہیں انھوں نے فارسی زبان کے مصرعوں، کہاوتوں اور مثل کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی

تحریروں میں چار چاند لگائے ہیں۔ فارسی زبان کے محاورات کو موقع محل کے مطابق اس طرح استعمال کیا ہے جیسے وہ مدتوں سے فارسی سے واقف ہوں۔ مصنف کی فارسی زبان و شاعری پر گرفت سخت ہے۔ انھوں نے موضوع کی نسبت سے فارسی مصرعوں اور محاورات کا استعمال کیا ہے جس سے ان کے مضامین میں دلکشی مزید بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جہاں وہ اپنی بات میں شرینی اور شاشنی پیدا کرتے ہیں، وہیں علی رضا احمد فارسی زبان کا استعمال خوب صورتی سے کرتے چلے جاتے ہیں۔ علی رضا احمد نے اپنے مضامین میں فارسی محاورات، ضرب المثل اور کہاوتوں کا بیشتر استعمال کیا ہے۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

؎ ہرچہ درکانِ نمک، رفت نمک شو ۲۷؎

؎ ہر کسے مصلحت خویش نیکوی داند ۲۸؎

؎ چار چیز است تحفۂ لندن
خمرو خنزیر، خبرنامہ و زن ۲۹؎

؎ گرد، گرما، گداگر، اور گورستان ۳۰؎

؎ اند بے مروت یشوا زمن اے عزیز
قاضی، قصباتی، قصاب و قانون گوئے ۳۱؎

؎ وارِ مرداں خالی نہ باشد ۳۲؎

؎ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز ۳۳؎

؎ خوئے بدرا بہانہ بسیار ۳۴؎

؎ فربہی چیزے دگر آماس چیزے دیگر است ۳۵؎

اُردو ادب میں علمِ بیان اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔ جو کلام میں شگفتگی بکھیر دیتا ہے۔ تشبیہ علمِ بیان کی ایک شاخ ہے جو شاعر اور نثر نگار کے لیے آزمودہ نسخہ رہی ہے۔ علم بیان کی رو سے جب کسی ایک شے کو کسی مشترکہ خصوصیت کی بنا پر دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔

پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں:

''یہ علمِ بیان کی ایک شاخ ہے جس کا مطلب ہے دو اشیاء میں مشابہت تلاش کرنا۔ ایک ہی مضمون کو مختلف طریقوں اور قرینوں سے بیان کرنے کے لیے کچھ قاعدے اور ضابطے وضع کیے گئے ہیں۔ ان قرینوں میں ایک قرینہ تشبیہ کا بھی ہے۔ اس کا تعلق علم بیان کے خاندان سے ہے۔ تشبیہ انسانی کلام کی ایسی خصوصیت ہے جو کائنات کے مشابہتی رشتوں کو تلاش کرتی ہے۔''۳۶؎

تشبیہ وہ فن ہے جس کے ذریعے فن کار، انشا پرداز یا خطیب مختلف چیزوں میں مشابہتیں دریافت کرتا ہے۔ گویا ایک چیز کو دوسری چیز کے مشابہ کر دیتا ہے لیکن عامیانہ مشابہتوں کا دریافت کرنا فن کار کا کمال نہیں۔ بلکہ اس کی گہر نظر پڑتی ہے اور وہ ایسی دو چیزوں میں مشابہتیں دکھاتا ہے جن کا سان گمان بھی نہیں ہوتا۔

کیفی کہتے ہیں:

''تشبیہ کے معنی ہیں یہ بتانا کہ ایک چیز ایک معنی میں بلا تجربہ بلا استعارہ

دوسری چیز کی شریک ہے مثلاً اس کا قد سرو جیسا ہے، یعنی راستی میں دونوں مساوی ہیں۔'' ۳۷؎

تشبیہ کی بدولت مضامین میں رفعت و وضاحت اور حسن و جمال پیدا ہوتا ہے اور کم الفاظ میں وسیع مطالب ادا ہو جاتے ہیں خصوصاً پیچیدہ بات اور مشکل مفہوم کو سمجھانا ہو تو تشبیہ ترجمانی کا کام دیتی ہے اور کلام و مضامین کو بلیغ اور بلند رتبہ کر دیتی ہے۔

مرزا محمد عسکری ''آئینہ بلاغت'' میں رقمطراز ہیں:

''تشبیہ سے یہ مطلب ہے کہ دو ایسی چیزیں بیان کی جائیں جن میں کسی ایک یا زیادہ معنی میں مشارکت ہو۔ مثلاً لفظ رخسار اور پھول میں رنگ کی اور پسینہ اور گلاب میں بُو کی مشارکت ہے۔'' ۳۸؎

علی رضا احمد نے ایک اچھے مزاح نگار ہونے کی حیثیت سے اپنی تحریروں میں منفرد تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔ یہ اُن کے اسلوب کی خصوصیت ہے کہ انھوں نے اپنے مضامین میں ایسی تشبیہات کا استعمال ہے جس سے ان کا کلام رنگین اور دلکش محسوس ہوتا ہے۔ ان کی تشبیہات میں طنز کی کاٹ بھرپور دکھائی دیتی ہے نیز اس کی بنیاد ان کا مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ علی رضا احمد نے ایسی تشبیہات کا استعمال کیا ہے جن میں سماجی، سیاسی اور معاشی منظر نامے کی جھلک نظر آتی ہے۔ انھوں نے تشبیہات کی مدد سے معاشرے کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مزاحیہ مضامین میں ان کی تشبیہات انگوٹھی میں نگینے کا کام کرتی ہیں۔ ان کی تحریروں میں تشبیہ کے حامل چند مثالیں درج ذیل ہیں:

''ڈرائی وروں کے بقول سلیبس کے اکثر مضامین ڈرائی یعنی ''خشک گوار'' ہوتے ہیں لہٰذا ان کو اپنی کتابوں میں ہمیشہ ریڈی ایٹر کی طرح پانی بھی بھرنا پڑتا ہے، دورانِ تعلیم اگر ان کے پرچوں کو چیک کیا جائے تو وہ بھی اکثر ''ڈرائی کلین'' اور صاف ستھرے ہی نکلتے ہیں۔'' ۳۹؎

''نصیحت کرنا بھی غیر شعوری بات ہے اور ایسے نصیحت کرنے والے کی نصیحت اس عینک کی

مانند ہوتی ہے جس سے خود کو تو دیکھا نہیں جا سکتا لیکن دنیا کی ہر جنس نامعقول نظر آتی ہے۔''۴۰؎

علی رضا احمد کے ہاں ایسی تشبیہات بھی ملتی ہیں جن کے پیچھے خاص مقاصد کارفرما ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر وہ لکھتے ہیں:

''شکر ہے تنخواہ روپوں میں ادا کی جاتی ہے اگر یہ چائے کی پتی کی صورت میں ادا کی جاتی تو ملازمین کی تنخواہیں بھی امپورٹ کرنا پڑتیں اس پر تھوڑا بہت کسٹم کا رنگ بھی چڑھایا جاتا۔''۴۱؎

''تنخواہ، خواہ ضمیر بیچ کر حاصل کی ہو یا تن بیچ کر، لیکن یہ واپس گورنمنٹ کے پاس ہی پہنچ جاتی ہے، جیسے پانی استعمال ہو کر واپس سمندر میں چلا جاتا ہے۔''۴۲؎

ایسے ہی انہوں نے ایسی تشبیہات میں خامہ فرسائی کی ہے جو تبسم بکھیر دینے کے ساتھ ساتھ قارئین کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔

مثال ملاحظہ ہوں:

''آزاد صاحب کبھی اخبار پڑھ رہے ہوں تو کھل کھلا کر ہنس رہے ہوتے ہیں بلکہ گراریوں والے قہقہے لگا رہے ہوتے ہیں حالانکہ آج کل کے اخبارات پڑھ کر صحت مند پہلوان بھی ہسپتال پہنچ جاتا ہے۔''۴۳؎

''موٹا جسم پانی کے باہر جتنا سست ہوتا ہے وہ پانی کے اندر اتنا ہی کچھوے کی طرح تیز رفتار ہوتا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے پیچھے بھاگتے ہوئے لنگڑا سب سے آگے ہوتا ہے۔''۴۴؎

''اتنے سارے بچوں پر جب رات کو کمبل ڈالا ہوتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے تربوزوں کو بچوں سے چھپایا گیا ہے۔''۴۵؎

علی رضا احمد کے مضامین کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں تشبیہات میں طنز کی تیز کاٹ کا احساس موجود ہے۔ وہ اپنی تشبیہات کا خام مواد اپنے آس پاس اور گردوپیش سے حاصل کرتے ہیں۔ وہ ایسی تشبیہات کو حصہ تحریر بناتے ہیں کہ جس کو پڑھنے کے بعد قاری کے

لبوں پر تبسم موجود رہتا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی تشبیہات میں لطیف طنز موجود ہے۔ مثلاً:

''دوائی کھانے کے بعد پتا چلتا ہے کہ یہ کسی پرانی شلوار سے چھانی گئی تھی۔ دوائی منہ میں ڈالتے ہی منہ اس کے پائنچے کی طرح کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے اور رنگ گندے نالے کی طرح.....''۴۶؎

''مریض کے ذوق کو بلیک میل کرنے کی خاطر آج کل دوائیوں کی کمپنیوں نے بھی نت نئے ذائقے اور ڈیزائن متعارف کروا دیئے ہیں اب آپ کو دوائی کے ساتھ چاکلیٹ، سٹرابیری اور ٹوٹی فروٹی کا حسین ذائقہ بھی ملنے لگا ہے۔''۴۷؎

مزاح نگاری کو دلکشی اور دلچسپی سے ہم کنار کے لیے محاورات، کہاوتوں اور ضرب الامثال کا سہارا لیا گیا ہے۔ ان سے تحریر میں سرشاری اور لطافت پیدا ہوتی ہے۔ علی رضا احمد نے ایک اچھے مزاح نگار کی طرح قاری کے ذوق وشوق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مروج محاورات کا عمدگی سے استعمال کیا ہے۔

مثالیں ملاحظہ ہوں:

''رسی تو جل گئی مگر اس کا بل نہ گیا''۴۸؎

''جتنے منہ اتنی باتیں''۴۹؎

''نائیوں کی بارات میں سبھی راجے''۵۰؎

''جان ہے تو جہان ہے''۵۱؎

''ہاتھ میں لانا، پات میں کھانا''۵۲؎

''بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا''۵۳؎

''بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی''۵۴؎

''عقل نہیں تو موجیں ہی موجیں''۵۵؎

''سوگز کی پگڑی اور سر ننگا''۵۶؎

''نونقد نہ تیرہ اُدھار''۵۷؎

''جھوٹے کے آگے سچا رو مرے''۵۸؎

''غریب کی جورو سب کی بھابھی''۵۹؎

''اتفاق میں برکت ہے''۶۰؎

''ایک در بند سو در کھلے''۶۱؎

''گونگے کا گڑ نہ کھٹا نہ میٹھا''۶۲؎

علی رضا احمد نے اپنے کلام میں چاشنی اور تفنن طبع کا سامان پیدا کرنے کے لیے''ضرب الامثال'' کو نثر کا حصہ بنایا ہے۔ضرب المثال کا استعمال کلام میں لطف و مسرت کا احساس بخشتا ہے۔

اس کے حوالے سے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

''زیادہ مٹھائی میں ہمیشہ کیڑے ہی پڑتے ہیں''۶۳؎

''وہ ڈوبے منجدھار جن پہ بھاری بوجھ''۶۴؎

''عقل مند قانون کا دروازہ کبھی نہیں کھٹکھٹاتا''۶۵؎

''جو درخت قریب ہو وہی اونٹ کا چارہ''۶۶؎

''جس چوہے کا ایک سوراخ ہو وہ آسانی سے پکڑا جا سکتا ہے''۶۷؎

''باادب بانصیب بے ادب بے نصیب''۶۸؎

''یہ کڑوری گولی مجھ سے بالکل نگلی نہیں جاتی''۶۹؎

''اندھے کے پاؤں تلے بٹیرا''۷۰؎

''درون خاک بھی ہیروں کی ثابانی نہیں جاتی''۷۱؎

محاورات اور ضرب الامثال اُردو ادب کا اہم حصہ ہیں۔شاعری ہو یا نثر یہ حربہ دونوں میں بخوبی استعمال ہوتا رہتا ہے۔علی رضا احمد نے بھی اپنے مضامین میں براہِ راست تنقید سے گریز کر کے یہی کام محاورات اور ضرب الامثال کی مدد سے کیا ہے۔چند مثالیں درج ذیل ہیں:

ہمارے دوست یونہی سارے
ایرے غیرے نتھو خیرے ۷۲

خاوند تو بیوی کی جاں ہے
اور ضرورت ایجاد کی ماں ہے ۷۳

ہفتے مہینے اور سال برابر
گھر کی مرغی دال برابر ۷۴

علی رضا احمد نے عمدہ اور ماہرانہ تخلیقی صلاحیتوں کا ثبوت دیتے ہوئے جملوں میں محاورات اور ضرب الامثال کا استعمال برجستگی سے کیا ہے جس سے ان کی تحریروں میں رنگینی پھیل جاتی ہے۔ ان کا یہ انداز انھیں اپنے ہم عصر مزاح نگاروں سے ممتاز کرتا ہے۔ انھوں نے موقع محل کے مطابق ان کا استعمال جملوں میں کیا ہے۔

مثالیں ملاحظہ ہوں:

''واضع رہے لام کے لفظی معنی تو جنگ وحرب کے ہیں، سرد جنگ کے نہیں.....لیکن جب لاتوں کے بھوت باتوں سے نہ مانیں، صلح پسند کو لعن طعن کر کے لاٹ صاحب بننے کی کوشش کریں.....'' ۷۵

''یہ اپنے پٹھان بھائیوں کا ہر جگہ ہر وقت، ساتھ دینے کے لئے ہتھیار بند رہتے ہیں اور بس ان ہی کے ہاتھوں میں ہاتھ دیتے ہیں۔ ہر کام ہر جگہ بلا ہچکچاہٹ کر لیتے ہیں۔ لہٰذا دنیا کے ہر کونے اور ہر موسم میں ہتھیلی پر سرسوں جما لیتے ہیں۔'' ۷۶

''عقل مند کو اشارہ کافی ہوتا ہے اور بے وقوف کے لئے ڈنڈا بھی ناکافی ہوتا ہے۔'' ۷۷

''ان خالی صفحات پر کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوگا کیونکہ دودھ میں پانی بھی تو دودھ ہی کہلاتا، بلکہ اس ایجاد سے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنا بھی مشکل نہیں رہے گا اور آئین کئی تحفظات سے بھی مشرف ہو گا۔'' ۷۸؎

''اگر مطلوبہ جگہ پر پانی موجود ہو تو اس میں داخل ہونے سے پہلے اس میں ایک یا دو تنکے ضرور پھینک دیں جو کہ آپ کو ڈوبتے وقت سہارے کا کام دے سکتے ہیں۔ اگر اتفاق سے یہ تنکے آپ کے کام نہ بھی آ سکے تو کسی چور کی داڑھی کے کام تو ضرور آ جائیں گے۔'' ۷۹؎

اُردو زبان ایک لشکری زبان ہے اور بذات خود ترک زبان کے لفظ اردو سے نکلا ہے، اسی سے انگریزی لفظ Horde کا ظہور ہوا ہے۔ ۸۰؎ اسی طرح اُردو میں کئی دوسری زبانیں مثلاً ترکی، ہندی، فارسی اور سنسکرت وغیرہ بھی شامل ہیں۔ تحاریر میں ان زبانوں کا استعمال چار چاند لگا دیتا ہے اور قاری کی ذہنی کیفیت میں سرور، سرشاری اور احساس لطافت پیدا کر دیتا ہے۔

علی رضا احمد نے بھی اپنے کلام میں اُردو کے علاوہ دیگر زبانوں کے استعمال سے اپنی تحاریر کو موثر اور پُر اثر بنایا ہے۔ انھوں نے ہندی، انگریزی اور فارسی زبان کا استعمال کثرت سے کیا ہے اور کہیں کہیں سرائیکی اور پنجابی زبان کا بھی تڑکا لگایا ہے۔ علی رضا احمد نے یہ حربہ استعمال کر کے مزاح نگاری کو خوب ذائقہ دیا ہے جس سے قاری بھرپور مزے اٹھاتا ہے۔ انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اُردو زبان کے علاوہ دوسری دیگر زبانوں سے بھی واقفیت اور لگاؤ رکھتے ہیں۔ تحاریر میں کسی بھی دوسری زبان کے استعمال کا خاص مقصد قاری کی توجہ مبذول کرانا ہوتا ہے تاکہ اس کی بصیرت مضامین پر ٹھہری رہے اور دلچسپی کا عنصر غالب رہے۔

ہندی الفاظ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

''نئے سال پہ ہم اہل یورپ کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ آپ کے ملکوں میں ہونے والی چائلڈ لیبر ہمارے ملکوں سے زیادہ ظالمانہ ''گھمبیر اور

گھناؤنی'' ہیں آپ ذرا اپنے جوگروں.....جھانکیں۔''۸۱؎

''میں گھر میں داخل ہوا تو سب نے مجھے سلام تو کیا لیکن اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں سے ''نمستے'' کے انداز میں۔ پھر انھوں نے مجھ سے کہا کہ ہمیں ''آشا'' تھی کہ آپ ''شکروار'' کو آئیں گے اور ہم ''محلائیں'' آپ کا انتظار کرتی رہیں۔''۸۲؎

''ٹھنڈے اور دھندلے آغاز کی ''بدشگونی'' سے بچنے کے لیے ہمیں بچوں سے لیکر بوڑھوں تک شدید مشقت کرانا ہوگی، بامشقت نہیں۔''۸۳؎

''پھر اس نے پوچھا آپ اتنے ''سندر'' کیوں ہیں تو انہوں نے چونک کر کہا کہ بھیا تم اتنا پریشان کیوں ہوتے ہو، ابھی تو میں نے اپنا ''کیول'' آدھا کالا رنگ اندر کھینچ لیا ہے۔''۸۴؎

''بھارت کی عوام ایک مذہبی جذبے کے تحت ان کی بہت خدمت کرتی ہے بلکہ جان بوجھ کر ''پوجا پاٹ'' بھی کرتی ہے اور انہیں ''ہنومان'' سمجھ کر ان کی جوئیں تک نکال دیتی ہے۔''۸۵؎

علی رضا احمد کے جملوں میں کہیں کہیں غنائیت نظر آتی ہے۔ انھوں نے نہ صرف دیگر اصطلاحات کا استعمال کیا بلکہ ہندی گانوں سے بھی اپنی تحریروں میں طنز و مزاح پیدا کیا۔

مثال کے طور پر وہ لکھتے ہیں:

''اگر مہدی حسن صاحب لتا سے یہ پوچھیں کہ ''چولی کے پیچھے کیا ہے'' تو اُدھر سے لتا یہ جواب دیتی ہے کہ ''کیوں پوچھتے ہو کیا تم سے کہوں''۸۶؎

''اس گھر میں صرف ''بندیا چمکے گی، چوڑی چھنکے گی'' کی کسر وہ گئی تھی جو کہ شاید میری واپسی کے بعد پوری ہوگئی ہوگی۔''۸۷؎

علی رضا احمد نے جہاں فارسی کہاوتوں اور ضرب المثال کا استعمال کیا ہے وہیں انھوں نے فارسی الفاظ کو استعمال کیا ہے جو کہ الگ زبان کی بجائے اُردو ہی کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً

''پھر انھوں نے اس دنیا کے عظیم ''ام الجرائم'' کو گرفتار کر کے دنیا کو ''امن و آشتی'' کی طرف گامزن کرنے کی عظیم الشان کوشش کا بھی سوچ لیا تھا۔''۸۸؎

''وہ ہاتھوں میں پکڑی ہوئی تھیلیاں ہوا میں لہراتے ہوئے کہتے ہیں جی ماسٹر جی ہم نے ''نوٹس'' کا انتظام کر لیا ہے کیونکہ ''کسہُن نیڑے کہ خدا'' کلاس میں اول دوم پوزیشن بھی چھوٹی بڑی ''تھیلی'' سے با آسانی طے ہو جاتی ہے۔''۸۹؎

پنجابی ہماری مادری زبان ہے۔ پنجابی زبان کا اختراع اپبھر مشپرا کرت زبان سے ہوا ہے اور اس زبان میں ادب کا آغاز بابا فرید الدین گنج شکر سے ہوتا ہے۔۹۰؎ اس زبان کے بہت سے لہجے ہیں جن میں سے ماجھی لہجے کی ٹکسالی مانا جاتا ہے۔ یہ لہجہ پاکستان میں لاہور، شیخوپورہ، گوجرانوالہ کے اطراف میں مستعمل ہے۔ ایس۔ آئی۔ ایل نثرادیہ کے ۱۹۹۹ء کی شماریات کے مطابق پنجابی دنیا میں گیارھویں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے۔۹۱؎

علی رضا احمد نے بھی اُردو ادب میں پنجابی زبان کو دَم دیا ہے۔ انھوں نے نثر میں پنجابی الفاظ کا برمحل استعمال کرتے ہوئے دلیل پیش کی ہے کہ انھیں بھی پنجابی زبان سے خاص لگاؤ اور دلچسپی ہے۔ انھوں نے جملوں میں نہایت خوبصورت انداز میں پنجابی زبان کی سیج سجائی ہے اور اپنی تحاریر میں ایک الگ خوشبو پھیلائی ہے۔

چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

''آج کل کی عورتیں تو چغل خوری، چاند ماری، چوری ''چوٹھ'' اور چہرہ دکھائی کا لبادہ اوڑھے چھلانگیں لگا رہی ہیں۔''۹۲؎

''یہاں جتنے بھی پارسا آتے ہیں وہ انہیں کے ہو رہتے ہیں اور انہیں کے ساتھ انجام کے..... انتظار میں بھی..... نتیجۃً یہاں پلیکھے ہی پلیکھے (Fallacy) پڑھتے ہیں۔''۹۳؎

''پیر صاحب نے فوراً اپنے نوکر کو آواز دی کہ ''امداد تینوں بلاندے ان''
ہم نے بات دوبارہ سے شروع کی اور کہا کہ پیر جی ہم ہاکی ٹورنامنٹ کے
سلسلے میں آپکی مہربانی اور پیسوں کی ضرورت کی خاطر حاضر ہوئے
ہیں۔''۹۴؎

''گورے ایک عرصہ ہم پر چائلڈ لیبر گا''اور نترا، نکھترا'' الزام عائد کر کے
ہمیں ہماری ایکسپورٹ سے محروم کر رہے ہیں۔''۹۵؎

علی رضا احمد نے جہاں پنجابی الفاظ کا استعمال کر کے اپنی تحریروں کا رُخ ایک نئی جانب موڑا وہیں پر انھوں نے پنجابی شاعری کا استعمال کر کے اپنے مضامین میں ایک نئی جہت کا آغاز کیا۔

مثال کے طور پر وہ لکھتے ہیں:

؎ مُڑکا بڑا ای لگیا ای
کُڑیئے اَج کیہ پکیا ای؟
کھاپی کے اوہ پچھدا اے
کاکی روزہ رکھیا ای؟ ۹۶؎

؎ آپے سی کے کپڑے پایئے
دارو پی کے پنگڑے پایئے
ڈانگاں پھڑ کے میلے چلیئے
نال شریکاں چگڑے پایئے ۹۷؎

سرائیکی ہندیورپی زبانوں سے تعلق رکھتی ہے۔اسے 25.9 ملین (2 کروڑ انسٹھ لاکھ) لوگ بولنے والے ہیں جو موجودہ جنوبی پنجاب، جنوبی خیبر پختونخوا، شمالی سندھ اور مشرقی بلوچستان میں رہیت ہیں۔سرائیکی کا ذکر سب سے پہلے ۱۹۴۷ء میں پاکستا کے قیام کے بعد ایک مقامی

لسانی پارٹی نے الگ صوبے کے قیام کے مطالبے پر کیا۔۹۸؎ پاکستان میں سرائیکی زبان کی مردم شماری پہلی بار ۱۹۸۱ء میں کی گئی ۹۹؎ اس کے برعکس سرائیکی کو پنجابی کا ایک لہجہ بھی سمجھا جاتا ہے کیونکہ سرائیکی مصرے کی ساخت، بناوٹ وغیرہ بالکل ماجھی پنجابی جیسی ہے اسی وجہ سے کئی مقامی ماہر لسانیات نے سرائیکی کو پنجابی کا ایک لہجہ ہی کہا ہے جن میں دلائی، کے نزیندر، گل، ہرجیت سنگھ گل، اے ہنیری، گلیسن (جونیئر)، کول، این اومکر، سیائدھو بالا، افضل احمد چیمہ، عامر ملک، امرناتھ اور محمد علی درانی شامل ہیں۔۱۰۰؎

علی رضا احمد نے سرائیکی زبان ملتان میں رہ کر سیکھی۔ ملتان ایک پُرسکون اور خاموش علاقہ ہے اور اسی سے فرارِ راہ حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اپنے ادارے کے ملازم سے سرائیکی زبان سے فیض اُٹھایا۔ اس علم کو علی رضا احمد نے براہِ راست اپنے کلام میں خوبصورت پیرائے میں ڈھالا ہے۔ انھوں نے حروف تہجی کی مدد سے اپنے مضامین میں سرائیکی زبان کے الفاظ کو سمویا ہے۔ جس سے قاری بھرپور دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے مزاحیہ رنگ میں رنگتا چلا جاتا ہے۔

ان کی کتاب ''دھجی آں'' سے اقتباس ملاحظہ ہو:

''ایسے ہی ایک دن......شوہر ''گ'' کھیل کر گھر آیا، اسے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ بیوی ''ث'' کہنے لگا کہ ''ذ''، ''د''، ''ڈ'' دال ڈلوانے کے بعد اس نے......اس میں ''کالا'' زیادہ نظر آنے کی شکایت کی......بیوی نے کہا کہ تیرے ''پ'' کو تو بڑا ''ص'' آیا ہے......لیکن تیری ''ب ب'' بھی تیری ہی طرح ''و، و، ؤ'' کر رہی تھی۔ وہ تو جائے ''ل'' کو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں! لیکن اب ''بچ، چ'' بھی...... ''ع''، ''ڑ'' ہوئے ہیں کہ وہ بھی ''ذ'' نہیں کھائیں گے......''۱۰۱؎

''ۓ'' تو آپ ''ش'' بہت ناراض ہے...... میں نے کہا! میں ڈرتی ہوں کہ گھر میں کوئی ''س'' ہی نہ ہو جائے! شوہر نے نہایت غصے سے کہا کہ میں

سارا دن "G" لگا کر بڑی محنت سے "Do" تے "Do"، "4" کرتا
ہوں لیکن "ت" کوں شرم نہ آئی.....ڈومنی!"۱۰۲؎

انگریزی انگلستان سمیت دنیا بھر میں بولی جانے والی ایک وسیع زبان ہے جو متعدد ممالک میں بنیادی زبان کے طور پر بولی جاتی ہے۔ دنیا کے کئی ممالک میں ثانوی یا سرکاری زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ انگریزی دنیا میں سب زیادہ پڑھی اور سمجھی جانے والی زبان ہے جبکہ یہ دنیا بھر میں رابطے کی زبان سمجھی جاتی ہے۔ انگریزی پاکستان کی سرکاری زبان ہے۔ تمام معاہدے اور سرکاری کام انگریزی ہی میں طے کیے جاتے ہیں۔

علی رضا احمد کا اُردو زبان کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان میں بھی گہرا مطالعہ ہے۔ انھوں نے اپنی مزاحیہ نثر میں جگہ جگہ انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ ان کے مضامین میں چند ہی صفحات ایسے ہوں گے جن میں انگریزی الفاظ دکھائی نہیں دیتے۔ عطاء الحق قاسمی رقمطراز ہیں:

> "علی رضا احمد صرف عمدہ مزاح نگار ہی نہیں وہ بہت پڑھا لکھا بھی ہے اس کا انگریزی اور اُردو ادب کا مطالعہ اس کی تحریر کی اضافی خوبی کا باعث بنتا ہے۔"۱۰۳؎

چند مثالیں ذیل میں درج ہیں:

> "مرغوں کی لڑائی کا آخری راؤنڈ اور سٹریٹ فائٹ کا انجام کورٹ سٹریٹ تک جا پہنچتا ہے اور پھر صلح کے لے ایک نئی "Fight Back" کرنا پڑتی ہے۔"۱۰۴؎

> "یورپ کے لوگ اپنے ہر علاقے کے لئے اچھے اچھے خواب دیکھا کرتے ہیں لیکن ہمارے حصے ہمیشہ Nightmare ہی آتے ہیں۔ چنانچہ اسی لیے پاکستان میں میئر کا عہدہ ہی ختم کر دیا گیا ہے۔"۲۰۵؎

> "اگر کسی انسان کے کردار کی صحیح طریقے سے Base نہ بن پائے تو بالآخر

اسے Face، دیس یا بھیس بدلنا پڑتا ہے۔''۱۰۶؎

''اگر کوئی اکیلا نون صاحب کہہ کر انہیں مخاطب کرے تو فری سائز آنکھیں نکال کر اسے دیکھتے ہیں اور ان کا چہرہ بھی Casual سا بن جاتا ہے۔''۱۰۷؎

''غصے میں دیے گئے اس سیاسی بیان میں کوئی ''برکت'' نہیں ہوتی جسکے بعد Press and Public کے روبرو معافی مانگنا پڑے۔''۱۰۸؎

اسی طرح انھوں نے انگریزی قول اور انگریزی جملوں اور محاورات کے استعمال کو اپنے مضامین کی زینت بنایا ہے۔

مثالیں ملاحظہ ہوں:

"All men are creative but few are artist."۱۰۹؎

"Never complain and never explain."۱۱۰؎

"The white elephant wins by a neck."۱۱۱؎

"They never taste who always drink. They always talk, who never think."۱۱۲؎

"It has been well said, that heart speaks to heart, whereas language only speaks to the ears."۱۱۳؎

"No head No feet."۱۱۴؎

"A stich in time saves nine."۱۱۵؎

علی رضا احمد کے ہاں کہیں کہیں انگریزی شاعری کی بھی چھاپ نظر آتی ہے۔ مثلاً:

"The man recovered of the bite.

The dog it was that died."۱۱۶

"Wife and servant are the same, But only differ in the name."۱۱۷

تحریف ایک ایسی لفظی نقالی کا نام ہے جو کسی تصنیف کی تضحیک کر سکے۔ مزاح نگار اپنی تحاریر میں تحریف یا پیروڈی کی کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ تحریف کا مقصد اصلاح کرنا ہے اور زندگی کی ناہمواریوں کو ہدفِ بنانا ہے۔ ادیب قواعدِ زبان و بیان، الفاظ و تراکیب، روزمرہ محاورات، ضرب المثال، مصرعوں اور اشعار میں ہوشیاری اور دانائی کے ساتھ تحریف کا عمل کرتا ہے۔ تحریف اسلوب خیال یا نظریے کی بھی ہوسکتی ہے۔

علی رضا احمد نے تحریف کا حربہ اپنی نثر میں بخوبی پھیلایا ہے۔ انھوں نے ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں کو ہدف طنز بنایا ہے۔ انھوں نے لفظی تحریف سے الفاظ کی معمولی تبدیلی سے اصل کا حلیہ اس طور بگاڑ دیا ہے کہ اصل سے ناظر کا جذباتی تعلق بڑی حد تک ختم کر دیا ہے اور ہنسی کی ایک نئی تحریک ڈالی ہے۔ انھوں نے کہیں دوسری جگہوں پر اصل کا سہارا لے کر ایک مختلف میدان میں اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ تحریف کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

''بندر کیا جانے سمندر کی سیر''۱۱۸

''عقل بڑی کہ انجمن''۱۱۹

''گینڈے کو سوا گینڈا''۱۲۰

''پل میں گیڈر پل میں بندر''۱۲۱

''ریما کی راکھ صائمہ کے سر''۱۲۲

''صبح کا لوٹا شام کو لوٹ آئے تو اسے لوٹا نہ کہیں''۱۲۳

''گھڑی میں ماشہ گھڑی میں تولہ''۱۲۴

''سوئی بغل میں اور ڈھنڈورا شہر میں''۱۲۵

''ہم اس دیس کے ''باسی'' ہیں جس دیس میں گنگا بہتی ہے''۱۲۶

''سمجھا پٹھان نکلا چوہان'' ۱۲۷؎

اسی طرح اشعار اور مصرعے کی تحریف کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

؎ دیکھو! بکرا نہیں تو اک بوٹی سہی
بھاگتے چور کی لنگوٹی سہی ۱۲۸؎

؎ ناچ نہ جانے گھٹنا زخمی
گانا نہ جانے گلا زخمی ۱۲۹؎

؎ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا
بھان متی نے کنبہ جوڑا ۱۳۰؎

؎ مسائل بڑھ گئے ہیں دوبدو ہونا ضروری ہے
ہمارا آپ کا اب جنگجو ہونا ضروری ہے ۱۳۱؎

؎ ترک الفت کرنے والے اب ڈالر دیتے ہیں
بیٹنگ ان کی فیل اگر ہو بدل وہ بالر دیتے ہیں ۱۳۲؎

؎ جب موت ہو ایسی متوالی پھر نزع کا عالم کیا ہوگا ۱۳۳؎

؎ وجودِ زن سے ہے تصویرِ ''مشاعرات'' میں رنگ ۱۳۴؎

تکرار یا لفظی تکرار ایسی صنعت کو کہتے ہیں جس میں دو لفظ ایک ہی معنی رکھتے ہوں اور شعر یا مصرعوں میں برابر جمع کئے جائیں۔ سادہ الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جب کسی شعر یا

مصرعے میں ایک لفظ بار بار آئے تو اسے لفظی تکرار میں شامل کرتے ہیں یا شامل ہوتا ہے۔ لفظی تکرار صرف شاعری میں ہی نہیں بلکہ نثر میں بھی ان کا استعمال ملتا ہے۔

علی رضا احد نے بھی لفظی تکرار کے حربہ کو اپنی تحریروں میں زینت بخشی ہے۔ انھوں نے لفظی تکرار کی مدد سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور کامیابی بھی حاصل کی ہے۔ ان کے مضامین میں لفظی تکرار کے استعمال سے شگفتگی اور بذلہ سنجی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ نمونہِ کلام ملاحظہ ہوں:

''کبھی تنخواہ باہر سے ''آتے آتے'' لیٹ ہو جاتی تو ملازمین ''چائیں چائیں'' کرتے پائے جاتے، پھر انھیں چائے پانی پر ہی گزارہ کرنا پڑتا..... ''بڑی بڑی'' کمپنیاں ''اپنی اپنی'' پتی میں تنخواہ وصول کرنے کی اشتہار بازی کرتیں۔'' ۱۳۵

''یہاں پر ''بڑے بڑے'' پردھان ''آ کے پاؤں ''دھو دھو'' کر پرساد پیتے ہیں۔'' ۱۳۶

''فرض کریں کہ اس دوران بجلی چلی بھی جائے تو آپریٹر بجلی کی طرح لپک کر جنریٹر کو ON کر دے گا۔ ورنہ اسے ''چلاوئے! چلا اوئے''! ایس ''نوں'' جیسے سخت الفاظ سننے پڑتے ہیں..... اس آپریٹر کو کم از کم یہ احساس ہوتا ہے کہ ''بڑے بڑے'' عالی مرطبان'' کیا سوچیں گے۔'' ۱۳۷

''وہی جو گورنمنٹ سے نوکری مانگتا ہے..... وہی جو گر میں کمبل اوڑھتا ہے۔ آخر بابے نے کہا..... ''ہاں ہاں'' ..... ''نہیں نہیں..... تم اسے چھوڑ، مجھے'' پکڑ لو! پکڑ لو''!!!!!..... پکڑا گیا؟'' ۱۳۸

''جس شخص نے ''گھاٹ گھاٹ'' کا پانی پیا ہو اور ''نگر نگر'' کی خاک کھنگالی ہو اس کا ہر عمل ہی سونے میں تولا جانا چاہئے۔'' ۱۳۹

علی رضا احمد نے اپنے مضامین کے اندر جہاں جملوں کو مکمل کر کے ایک بامعنی مفہوم فراہم کیا ہے وہی پر انھوں نے اپنے مضامین میں جملے ادھورے چھوڑ کر قاری کی ذہنیت کا امتحان لیا ہے کہ وہ ان ادھورے جملوں کے مفہوم کو مثبت پرائے میں بیان کرتا ہے یا منفی اس کا فیصلہ قاری پر ہے۔ مثلاً:

''پانی تو دور کی بات ہے اور فون کی جگہ تو ''کوئلوں'' کے ذرائع استعمال کر کے.....''۱۴۰

''یہ تو صرف مجمے میں Show off کے لیے ہوتا ہے۔ ورنہ بھوکے انسان سے تو چھری کانٹے بھی پناہ مانگ رہے ہوتے ہیں اور اوپر سے اگر مچھلی کھا رہا ہو تو پھر؟.....۱۴۱

''اگر ٹرین کا کانٹا بدلنے والا ٹرین کے آنے سے پہلے ذرا آنکھ لگا کر بیٹھے تو ٹرین کے راستے میں بھی کانٹے بچھ سکتے ہیں اور ساتھ صفِ ماتم بھی.....''۱۴۲

''اگر آجکل کے جوانوں کو یہ بات سمجھائیں تو وہ کہتے ہیں جناب ہم بوتے ہی نہیں کاٹنے کی کیا فکر؟ لہٰذا ان کانٹوں سے تہی دامن.....''۱۴۳

''حسینہ واجد نے اپنے خاوند کے لیے بھی بندے رکھے ہوتے تھے حفاظت کے لیے نہیں باہر جانے کی اجازت لینے کے لیے.....''۱۴۴

ہر مزاح نگار کے ہاں ہم آواز الفاظ کے ذریعے سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یہ خوبی علی رضا احمد کے مضامین میں ہمیں جا بجا نظر آتی ہے۔ بعض اوقات سنجیدہ واقعات میں ہم آواز الفاظ کا استعمال کر کے غنائی کا سا تصور نمایاں ہوتا ہے ان کے مضامین میں قافیہ/ ہم آواز الفاظ کو نثر میں کس طرح بیان کیا گیا ہے ان کی مثالیں ذیل میں درج ہیں:

''ء'' حروف تہجی کا بیوروکریٹ سا حرف معلوم ہوتا ہے خاص طور پر اس وقت جب یہ ''و'' کے اوپر لگا ہو تو پھر یہ ہر کسی کو حکم دیتا ہوا دکھائی دیتا ہے،

کیونکہ یہ حرفِ مذکر ہے، اس لئے اس کا زیادہ تر استعمال اوپر ہی ہوتا ہے.....مثلاً جاؤ، اٹھاؤ، پلاؤ اور کھاؤ وغیرہ.....''۱۴۵؎

''ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ.....

صحت مندی کے تین اسباق

واک (Walk) خوراک اور مسواک۔''۱۴۶؎

''اس کے ایک سرے پر Fire اور دوسرے سرے پر Fool ہوتا ہے۔ جس کا ہم قافیہ ترجمہ یہی ہوسکتا ہے کہ اس کے ایک سرے پر آگ اور دوسرے سرے پر ''ناگ''۔۱۴۷؎

''دوائی، جمائی اور انگڑائی لینا مریض کا معمول ہوتا ہے۔''۱۴۸؎

ایہام دراصل علم بدیع، علم بیاں کی ایک شعری صنعت کا نام ہے۔ ایہام کے لفظی معنی وہم میں ڈالنا کے ہیں۔ اس کا استعمال نثر میں بھی ہوتا ہے اس کے لیے ہم ذومعنویت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ایہام کے دو معنی ہوتے ہیں ایک بعید کے اور ایک قریب کے لیکن ابہام میں شعر یا جملے کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔

علی رضا احمد نے بھی اپنے مضامین میں ذومعنویت کا حربہ استعمال کر کے مزاح میں چاشنی بھر دی ہے۔ مثالیں ذیل میں درج ہیں:

''ریلوے کا ظالم محکمہ، کانٹا بدلنے والے کا ''کانٹا بدلنے'' میں بھی دیر نہیں کرتا۔''۱۴۹؎

''لیکن نرگس اپنی سگی بہن کا ''دیدار'' کرتے ہوئے ہمیشہ مسکرا کر آداب بجالاتی ہے کئی دفعہ یہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کا دیدار کرتے ہوئے شرما بھی جاتی ہیں۔''۱۵۰؎

''اگر وہ پاکستان میں ہوتے تو لکشمی کے دال چاول کھانے سے بھی گریز نہ کرتے۔ باقی دیکھنا ہوگا کہ وہ آشرم جاتے ہیں یا کہیں اور۔''۱۵۱؎

آج کل یہ انگریزی کے کسی بھی لفظ کا اپنے ''حساب'' سے ترجمہ کرتے ہیں اور اگلا قدم اٹھاتے ہیں ایک دفعہ ان کی بیگم نے ان سے پوچھا کیا آپ دفتر سے "Late" آئیں گے۔''۱۵۲؎

مزاح نگار نثر ہو یا شاعری اس میں طنز و مزاح دونوں طرح کے حربوں کا استعمال کرتا ہے۔ طنز اور مزاح ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ درحقیقت مزاح زندگی کی تلخ حقیقتوں اور آلام و مصائب پر قہقہہ لگانے کا نام نہیں ہے بلکہ ذہنی پریشانیوں اپنے حالات و واقعات اور مشکلات کو ہنس کر بھول جانے کا نام ہے۔ مزاح انسان کے دل و دماغ کو شگفتگی عطا کرتا ہے۔ طنز ایک ایسا فن ہے جس میں عوام کی معاشرے یا افراد کی برائیوں کی طرف توجہ دلائی جائی۔ طنز معاشرے پر تنقید کرنے کا نام ہے۔

طنز و مزاح انسانی فطرت کا ایک ایسا مثبت پہلو ہے جس کے تحت زندگی کی تلخیاں اور حقائق کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اُردو تنقید میں طنز و مزاح کا نام ایک سانس میں یوں لیا جاتا ہے گویا یہ مترادف ہوں جبکہ ایسا نہیں ہے۔ طنز و مزاح میں جب بات شگفتہ طنز و مزاح کی ہوں تو اس کو اس انداز میں لیا جاتا ہے کہ کانٹوں بھرے پھول کو مخمل میں لپیٹ کر مارا جائے جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

علی رضا احمد نے بھی اس حربے کو عزت بخشی اور اپنے مضامین میں شامل کیا اور طنز و مزاح کی ملی جلی کیفیت ان کے مضامین میں جا بجا نظر آتی ہے مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

''روہڑی اسٹیشن پر ایک مسافر نے دوکاندار کو کڑاہی گوشت کا آرڈر دیا۔ اس نے فوراً پیش کر دیا۔ پہلے لقمے میں لمبا سا بال برآمد ہوا، اگلے لقمے میں اس نے ایک بال خاموشی سے، منہ سے کھینچ نکالا تیرا لقمہ لیتے ہی جب اس کو پلیٹ میں ایک بلیڈ محسوس ہوا تو اس مسافر نے نہایت عاجزی سے دوکاندار سے کہا کہ، جناب میں نے آپ سے کڑاہی گوشت مانگا تھا، آپ نے غلطی سے ''حمام'' گوشت دے دیا ہے۔''۱۵۳؎

''میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ سردیوں میں جن لوگوں کو پانی گیلا لگتا ہے اور وہ پوری سردیوں میں ایک یا دو مرتبہ ہی نہاتے ہیں وہ لوگ گرمیوں میں آپ کو ہر روز سوئمنگ پول یا کسی نہر پر ضرور ملیں گے اس راز سے وہ خود بھی واقف نہیں ہوتے۔''۱۵۴؎

واقعات کے ذریعے مزاح پیدا کرنا ایک مشکل امر ہے۔مزاح نگار واقعات کو نگینوں کی طرح جڑتا ہے کہ تحریر میں خوبصورتی نمایاں رہے۔علی رضا احمد کی خوبی یہ ہے کہ جب وہ واقعاتی مزاح پیدا کرتے ہیں تو قاری کے ذوق وشوق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کرتے ہیں کہ دلچسپی کا عنصر غائب نہ ہو بلکہ تواتر سے قائم رہے۔

''ایک دفعہ اکبرالہ آبادی نے گھر کے باہر نائی سے اپنے بال کٹوانے کے بعد، بغلیں منڈوانے کی خاطر اپنی قمیض اونچی کی ہوئی تھی کہ اتنے میں ان کے پاس کتے نے ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔اکبرالہ آبادی نے فوراً قمیض نیچے کر کے نائی سے کہا کہ پہلے اس کی بغلیں مونڈھ دو! وہ مجھ سے بھی زیادہ جلدی میں ہے.....''۱۵۵؎

''قانون اور وکیل کا بھی آستین اور سانپ والا ساتھ ہے۔ایک دفعہ ایک جہاز جو کہ وکیلوں سے بھرا ہوا تھا، اغوا ہو گیا۔حکومتِ وقت نے ابھی خدا کا شکر بھی ادا نہیں کیا تھا کہ ہائی جیکروں نے مطالبات کی ایک مسل پیش کر دی۔ چونکہ اس میں وکیل ہی سوار تھے۔اسی لئے حکومت نے بھی اس کا کوئی نوٹس نہ لیا اور ایک لمبی چپ سادھ لی۔دریں اثنا ہائی جیکروں نے ایک دلچسپ اعلان کیا کہ ''اگر ہمارے مطالبات فوری منظور نہ کیے گئے تو اہم ایک ایک کر کے وکیل رہا کرنا شروع کر دیں گے۔''۱۵۶؎

تحریر میں لفظی بازی گری بھی مزاح پیدا کرنے کا اہم حربہ ہے۔اس میں لفظوں کی تکرار اور رعائیت لفظی سے بھی مزاح پیدا کیا جا سکتا ہے۔رعائیت لفظی مزاح کا قوی ہتھیار ہے۔

رعائیت لفظی pun بھی کہتے ہیں جس سے مراد ہے کہ لفظ کو اس انداز سے استعمال کیا جائے کہ اس کے دو مختلف مطالب کا احساس ہو۔ حروف کے ردوبدل سے ان کے مطالب میں اتنا فرق پیدا ہو جاتا ہے کہ ظرافت اور ذہانت روکھے پھیکے جملوں میں مزاح پیدا کر دیتی ہے۔

ایم سلطانہ بخش رقمطراز ہیں:

''رعائیت لفظی کے لیے جدت شرط ہے تکرار سے مزاحیہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے۔ بہر حال منجملہ اور طریقوں کے الفاظ کے ذریعے لطیفہ پیدا کرنے یا اپنے دل کا غبار نکالنے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔''۱۵۷؎

علی رضا احمد کہیں کہیں رعایت لفظی کی جھلکیاں دکھاتے ہیں۔ انھوں نے مزاح نگاری کے اس حربے سے خوب فائدہ اٹھایا ہے اور اپنے کلام میں لفظی ہیر پھیر سے مزاح پیدا کرنے کی بھرپور سعی کی ہے۔ ان کا مضمون ''چاق و چوبند'' کا مطالعہ کرنے سے احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے لفظی ہیر پھیر اپنے ہاسٹل کے دنوں ہی سے شروع کر دی تھی اور پھر گاہے بگاہے یہ حربہ ان کے مضامین کی جان بنتا چلا گیا۔

رعایت لفظی کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

''جیسے ایک پتھر سو ویں ضرب سے ٹوٹتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلی ۹۹ ضربیں بیکار تھیں۔ بہر حال مرزا صاحب نے سیاسی حلقوں میں ہل چل مچادی ہے اور یہ ہل چل فوری طور پر مسئلے کے ''حل'' یا پھر ''چل'' کا تقاضا کرتی ہے۔''۱۵۸؎

''پانی کی کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے مشک اٹھانے کی مشق آج ہی سے شروع کر دیں۔''۱۵۹؎

''ان کی صحت کا ایک راز یہ بھی ہے کہ اکثر مصروف نظر آتے ہیں قناعت پسند تو ہیں ہی مگر تمبو ''کنات'' پسند بھی واقعہ ہوئے ہیں۔''۱۶۰؎

اوہ میاں! میں آئن ہوں..... آئین نہیں ہوں..... ذرا اپنا لب و لہجہ تو

درست کولو دیسی آئین اسٹائن!''۱۶۱؎

''گوروں کو بنگلہ دیش آتے ہوئے اس بات کی تسلی ہوتی ہے کہ بنگلہ دیش میں کہیں بھی Jerms نہیں ہیں کیونکہ وہاں ''جرمز'' پر لفظ ''زرمز'' نے پردہ ڈالا ہوتا ہے۔''۱۶۲؎

علی رضا احمد اپنے مضمون ''چاق و چوبند'' میں ہاسٹل کے دنوں کو یاد کرتے ہوئے رعایت لفظی کو یوں بیان کرتے ہیں:

''مجھے یاد ہے کہ ایک کمرے کے باہر موضع پرانا کوٹ لکھا تھا جسے موزہ پرانا کوٹ کر دیا گیا اور چاک سے لکھے گئے جہلم ہاؤس کو جہنم ہاؤس بنا دیا گیا۔''۱۶۳؎

طنز انگریزی لفظ Satire سے مشتق ہے۔ Satire درحقیقت لاطینی لفظ Satura سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی مختلف قسم کے پھلوں سے بھری ہوئی طشتری یا طباق کے ہیں۔ طنز ایک ایسا فن ہے جس میں عوام کی معاشرے کی طرف توجہ دلائی جائے۔ طنز کی تعریف Encyclopedia Ahmericana میں یوں بیان کی ہے:

''طنز ایک ادبی اسلوب ہے جس میں کسی فرد، بنی نوع انسان یا مکتبہ فکر کی کمزوریوں، برائیوں اور بداخلاقیوں کی، اصلاح کے خیال سے تضحیک اور تحقیر کا نشانہ بنایا جائے۔''۱۶۴؎

طنز انسان کے ذہنی ردعمل کے نتیجے کے طور پر وجود میں آتا ہے جو معاشرے کی خامیاں اور برائیات کو دیکھ کر مچل جاتا ہے اور پھر ان پر طعنے مارتا اور دشنام کرتا ہے۔ اس کا مقصد معاشرے کی اصلاح کرنا ہوتا ہے اور اسے سلجھنے کی طرف دھکیلنا ہے۔ طنز ایک تنقید ہے جو سلجھاؤ کی خاطر کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری لکھتے ہیں:

''طنز کا یہ رخ جو بے دردی اور تیزی لیے ہوئے ہے، طنز میں شدت اور تیزی ضروری سی ہے، اس کے نشتر کسی قدر نوکیلے ہوتے ہیں.....طنز کی یہ

شدت، تیزی، بے دردی اور تلخی ایک اچھے اور بڑے مقصد کے لیے ہے۔''۱۶۵؎

علی رضا احمد کے ہاں طنز کی کاٹ کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ وہ اپنے قلم سے نکلے نشتر مخمل میں لپیٹ کر اس طرح لگاتے ہیں کہ چوٹ پوری لگے لیکن درد کم ہو۔ یہ ان کے اسلوب کا خاصہ ہے کہ ان کے کمان سے نکلے تیر سیدھے دل پر چوٹ کرتے ہیں لیکن ہاتھ سے مزاح کا رنگ پھیکا نہیں پڑنے دیتے۔

اس بارے میں شیخ صدیق کہتے ہیں:

''علی رضا احمد کے جملوں میں ہلکی پھلکی طنز کی کاٹ بدرجہ اُتم دکھائی دیتی ہے۔''۱۶۶؎

طنز کے حوالے سے گل نوخیز اختر ان کی کتاب مزاح مین میں رقمطراز ہیں:

''طنز کسی بھی جملے کی جان بھی ہوتا ہے اور جان نکال بھی لیتا ہے، لیکن جب طنز کا نشتر حقیقت کے کرب میں مبتلا کر دے تو ہاتھ سیدھا کلیجے میں پڑتا ہے۔ علی رضا احمد کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ طنز و مزاح میں ''طنز اور مزاح'' کے تناسب سے بخوبی آگاہ ہیں۔''۱۶۷؎

طنز کی کاٹ کے حوالے سے چند مثالیں ذیل میں درج ہیں:

''جمعہ اور جنازہ پڑھنے والے بھی نمازی کہلاتے ہیں۔''۱۶۸؎

''غیر ملکی دورہ ختم کر کے جب یہ (حسینہ) وطن واپس لوٹ رہی ہو تو اخبارات کی شہ سرخیاں یہ تاثر دے رہی ہوتی ہیں کہ جیسے دبئی کا کوئی شیخ بنگلہ دیش میں پہلی نیو ایئر منانے آ رہا ہے۔''۱۶۹؎

''درخت کاٹنا، لفظ کاٹنا اور الفاظ کاٹنا، قینچی کے بغیر بھی ممکن ہے۔''۱۷۰؎

''میرے دوست میاں سرفراز کے نو بچے ہیں جن میں سے صرف آٹھ

لڑکے ہی ہیں۔ آج کل وہ سعودی عرب میں ملازمت کرتے ہیں جہاں سے ہر سال چھٹی پر واپس آتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے ساتویں بچے کے بعد ایک بڑے خاندان کے پالنے کے لئے سات سمندر پار جانا فطری امر ہے۔ بہر حال ایک دفعہ ان سے کسی نے پوچھا کہ بھائی تم ہر سال ایک نیا جذبہ اور ولولہ پیدا کر لیتے ہو اس کے پیچھے کیا چیز کارفرما ہے۔'' ۱۷۱؎

علی رضا احمد نے جہاں رعایت لفظی سے کام لیا ہے وہیں انھوں نے اُردو اور انگریزی کے امتزاج کا بہترین استعمال کرتے ہوئے لفظی مزاح کو رونق بخشی ہے۔ چند مثالیں پیش ہیں:

''چائے جتنی بھی لذیز ہوتی ہے..... اس میں اتنی disease ہوتی ہے۔'' ۱۷۲؎

''پوچھا گیا بھارت کا کون سا شہر پسند ہے کہنے لگا "Goha-tea" پھر ان سے یہ بھی پوچھا گیا مودی چائے والے نے ہر "commodi-tea" یہ عوام کو ٹیکس کا "Tea-ka" لگایا ہے۔'' ۱۷۳؎

''بدقسمتی سے بی جی پی کا جو بھی وزیر اعظم آیا وہ اپنے ساتھ گھٹنوں کے درد کا تحفہ ضرور لایا مگر مودی کے گھٹنوں کے قریب ایک بھی سردار نظر نہیں آتا اور اپوزیشن مودی کو صرف Tea سے Tease کرنا چاہتی ہے۔'' ۱۷۴؎

خالص مزاح لکھنا مزاح نگاری کو دلکش بناتا ہے۔ خالص مزاح کے پیچھے کوئی تیز دھار نشتر کارفرما نہیں ہوتا۔ خالص مزاح کے حوالے سے ڈاکٹر اشفاق احمد ورک لکھتے ہیں:

''ایسا مزاح دراصل ایک لطیف ذہنی کیفیت، نفسی انبساط اور روحانی بشاشت سے وجود میں آتا ہے۔'' ۱۷۵؎

علی رضا احمد نے بھی اپنی تحریر میں جا بجا خالص مزاح میں خامہ فرسائی کی ہے۔ انھوں نے طنز کیے بغیر مزاحیہ انداز میں اپنی بات کہہ ڈالی ہے جس کا مقصد قاری کے چہرے پر تبسم اور

بشاشت پھیلاتا ہے اور قاری کے ذہن پر تر وتازگی و شگفتگی پیدا کرتا ہے۔

چند مثالیں درج ذیل ہیں:

''آزاد صاحب کبھی اخبار پڑھ رہے ہوں تو کھل کھلا کر ہنس رہے ہوتے ہیں بلکہ گراریوں والے قہقہے لگا رہے ہوتے ہیں حالانکہ آج کل کا اخبار پڑھ کر صحت مند پہلوان بھی ہسپتال پہنچ جاتا ہے۔''۱۷۶

''سردار جی نے اس سنتری کو نہر میں نہانے والے لوگوں کی کوٹیشن دی اور کہا کہ وہ لوگ تو نہا رہے ہیں اور آپ مجھے منع کر رہے ہیں! سنتری کہنے لگا کیا وہ مجھ سے پوچھ کر نہا رہے ہیں۔''۱۷۷

لفظوں کو توڑ کر مزاح پیدا کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں بلکہ یہ عنصر بہت کم مزاح نگاروں میں پایا جاتا ہے۔ ان ہی میں سے ایک علی رضا احمد ہیں جنھوں نے اپنے مضامین میں کثرت سے لفظوں کو توڑ کر مزاح کو جنبش دی ہے۔ وہ طنز و مزاح کی بارش میں پھسلن سے ہڈی توڑنے کی بجائے الفاظ کو توڑتے ہیں جس سے قاری کی دلچسپی قائم رہتی ہے اور مسکراہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

شیخ صدیق اپنے انٹرویو میں بتاتے ہیں:

''علی رضا احمد میں سب سے بڑی تخلیقی بات یہ ہے کہ وہ لفظوں کو توڑ کر لکھتے ہیں۔ جس سے ان کے مضامین میں خاصی دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔''۱۷۸

اسی حوالے سے گل نوخیز اختر رقمطراز ہیں:

''علی رضا احمد لفظی توڑ پھوڑ سے مزاح تخلیق کرنے میں ماہر ہیں، ان کا جملہ طوالت اختیار نہیں کرتا، انہیں احساس ہے کہ جملے کی غلیل کو کتنا کھینچنے سے مطلوبہ ہدف حاصل کیا جا سکتا ہے۔''۱۷۹

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

''چوہوں کے ایک ایسے ہی میوزک کنسرٹ کے لئے بھرتی کا مختصر اشتہار

یوں دیا گیا ''صرف 36 انچ قد کے ''ماڑ Rat'' چوہے ہی اہل ہوں گے۔'' ۱۸۰؎

''اگر یہ کمیٹی اپنی سفارشات میں ایک ایسی کریم کی ایجاد کا حکم دے جو رنگ گورا کرنے کے علاوہ کریمنلز کے کرائم پر بھی پردہ ڈال دے تو اس کے نام رجسٹر کرانے والے بھی جلد میدان میں آجائیں گے اور جلد از جلد اس کا "Creamy-Nil" نام کا ٹریڈ مارک حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔'' ۱۸۱؎

''فرض کریں ان کے پاس یرقان کا مریض آجائے تو یہ اسے باتوں باتوں میں ایسی ''یرقانوے'' لگائیں گے کہ وہ پیشنٹ اپنا سب کچھ ''Pay شنٹ'' کرنے پر تیار نظر آئے گا۔'' ۱۸۲؎

''ایک انگریزی کا لفظ اکثر سنتے ہیں وہ ہے ہک "Hook" لیکن اس کا اصل استعمال ''Hook مران'' یعنی حکمران کرتا ہے۔'' ۱۸۳؎

''فلم بین ہماری اداکاراؤں کی حرکات کو فلم انڈسٹری کی تباہی کا ذمہ دار قرار دے کر انہیں اپنی ''مجرے مانہ'' حرکتوں سے باز آنے پر زور دے رہے ہیں۔'' ۱۸۴؎

علی رضا احمد نے اپنی تحریروں میں لطائف کا اہتمام بھی کیا ہے۔ ان کے ہاں لطائف کم ہی نظر آتے ہیں اور یہ نقل نہیں بلکہ ان کا اپنا تخلیقی کام ہے۔ ان کے دوست شیخ صدیق اپنے انٹرویو میں کہتے ہیں:

''عام طور پر جو مزاح کی کتابیں ملتی ہیں ان میں لطائف کی بھرمار ہوتی ہے یا انگریزی لطائف کا اُردو ترجمہ پیش کر دیتے ہیں لیکن علی رضا احمد کے ہاں ایسا نہیں ہے انھوں نے بات سے بات نکالنے کا فن اپنایا ہے۔ ان کے ہاں لطائف کی بھرمار نہیں ملتی۔'' ۱۸۵؎

چند مثالیں درج ذیل ہیں:

''وہ شخص بھاگا بھاگا جوتوں کی دوکان پر گیا اور دوکاندار سے کہا کہ اسے 'جوتے دکھائیں' دوکان دار نے کہا کہ ہم جوتے بیچنے والے ہیں دکھانے والے بھی بس آتے ہی ہوں گے! اس شخص نے دوکاندار سے کہا کہ بھائی مذاق کا وقت نہیں فوری گھر پہنچنا ضروری ہے۔ جلدی کرو..... دوکاندار نے پوچھا سائز کون سا چاہیے، یہ واقعی اس مظلوم کے لیے بہت دشوار گزار بات تھی کیونکہ وہ جلدی میں سائز لانا بھول گیا تھا لیکن اس عقل مند کی عقل فوراً کام دکھا گئی اس نے پشت سے قمیض اٹھائی اور کہا کہ میری کمر پہ شاید..... ابھی تک میری ''وفا شعار'' کے سائز کا ''نشانِ عبرت'' جلوہ گر ہے۔''۱۸۶؎

''ایک دفعہ ایسے ہی موقع پر فلم Bay Watch دیکھتے ہوئے نائی نے گاہک کے منہ پر اتنے کٹ لگائے کہ مجبوراً گاہک نے نائی سے ایک گلاس پانی مانگا۔ نائی نے پوچھا کہ جناب پانی کے گلاس کا کیا کریں گے؟ تو گاہک نے کہا کہ منہ میں پانی بھر کر یہ دیکھوں گا کہ میرا منہ کتنی جگہ سے پنکچر کیا ہے.....''۱۸۷؎

علی رضا احمد کے مضامین میں شگفتگی و برجستگی کا احساس معلوم ہوتا ہے۔ ان کی تحریروں میں اگر طنز کی کاٹ ہے تو وہیں شگفتہ مزاح بھی جھلکتا ہے۔ انھوں نے مزاح میں شگفتگی بھر کر اپنے قارئین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائی ہے۔ مثال ملاحظہ ہوں:

''ایک بغیر پائلٹ کا جہاز جس میں ڈیک، ڈگی اور ڈائننگ ٹیبل کی سہولت موجود ہے فروخت کے لیے پیش ہے اس نے ماضی میں سب سے زیادہ کامیابی سے اپنے ٹارگٹ کو جا لیا تھا۔ یہ اڑتا بھی ہے اور اڑاتا بھی..... اسے یوں سمجھ لیں کہ یہ ڈرون کا دیور ہے اور اسے ڈرپوک قوموں کو

ڈرانے اور درماندہ لوگوں کو دھمکانے کے لئے بنایا گیا ہے۔فروخت کے لئے پیش ہے اور ساتھ اس کے کل پرزے مفت حاصل کریں۔'' ۱۸۸؎

''رنگین کنٹیکٹ لینز پر یہ اضافی خوبی پائے جائے گی.....دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کیلئے مفید۔'' ۱۸۹؎

علی رضا احمد کے ہاں طنز کی ایسی چھانٹ ملتی ہے جس پر قاری غور وفکر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کا طنز محض تیر سے بجلی گرانا نہیں ہے بلکہ قارئین کو سوچنے پر مجبور کر دینا ہے۔مثال کے طور پر وہ لکھتے ہیں:

''اور جب یہ آئسکریم میڈیسن سرکاری ہسپتالوں میں ملنے لگے گی تو مریض ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر مسلسل بیمار رہنے کی دعا کیا کریں گے.....'' ۱۹۰؎

''عوام اور بادشاہ اس بات پر متفق ہیں۔سر کو جھکنے سے بچانے کے لئے سر دھڑ کی بازی بھی لگا دینا چاہیے لیکن صرف ایک بغیر دربان ''جہاں پناہ'' کا ''دربار شاہی'' ایسا ہے جہاں پر ایک سال کے دوران کم وبیش پونے بارہ دفعہ ملک کے بادشاہوں کو بھی سر جھکانا پڑتا ہے اور وہ ہے ''برونائی'' کے سلطان کی ''سرکار'' کا دربار یعنی ہیئر ڈریسر کی دکان جہاں سے ''پرہیڈ'' کا لفظ ایجاد ہوا ہے.....'' ۱۹۱؎

علی رضا احمد نے مزاح نگاری کے ہر حربے میں طبع آزمائی کی ہے۔انھوں نے اس دوڑ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اوّل آنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔اگر انھیں مزاح نگاری میں اوّلیت کی فہرست میں شامل کر لیا جائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ان تمام جزئیات کے علاوہ انھوں نے روایت کو بھی پیچھے نہیں چھوڑا۔علی رضا احمد نے اپنی تجاویز میں روایتی جملوں کا استعمال کیا ہے اور اپنے اسلوب کو لطیف احساس بخشا ہے۔مثلاً:

''چسکا لینے والے محلے دار اپنوں کو اکٹھا کر کے ''لو جی لڑائی شروع، لو جی

شروع'' کہنا شروع کر دیتے ہیں.....''۱۹۲؎

''ایک شام پھر کسی رنجش کی وجہ سے ان لوگوں کا شور وغوغا دوبارہ شروع ہوا.....''اوئے بدمعاش، اوہ شرابی شرم کر، اوئے ورنہ حشر نشر کر دونگا'' کی آوازیں آنا شروع ہوئیں۔''۱۹۳؎

''(استاد) ایک روز غصے سے اپنے شاگرد سے کہنے لگے کہ'' تجھے شرافت کی زبان سمجھ نہیں آتی؟ کہنے لگا جناب اس توتلے کی تو مجھے تمام باتیں سمجھ آتی ہیں''۱۹۴؎

موازنہ وتضاد مزاح نگاری کا ایک منفرد حربہ ہے جس میں مزاح بیک وقت دو چیزوں کے تضاد سے مضحکہ خیز صورت حال پیدا کر دیتا ہے۔علی رضا احمد نے بھی یہ موازنہ وتضاد استعمال کر کے قاری کو ہنسنے پر مجبور کر دیا ہے۔مثالیں درج ذیل ہیں:

''آپ کے آئین میں ترمیم اور میری جائداد کی تقسیم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔''۱۹۵؎

''ککڑوں کوں
صبح کو سوؤں
شام کو اٹھوں''۱۹۶؎

علی رضا احمد منظر کشی بے حد خوب صورت انداز سے کرتے ہیں۔وہ اس میں بھی مزاح کا رنگ بخوبی بھر دیتے ہیں۔ان کے مضامین پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے قاری خود وہاں موجود ہو اور سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور یہی خوبی ادیب اور اس کی تحاریر کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ان کے مضمون''تر.....م'' سے اقتباس ملاحظہ ہو:

''میرے لڑکپن کی بات ہے کہ ایک شام ہمارا دروازہ اتنی زور سے کھٹکا!!!!!!! کہ ساتھ ہماری کھڑکیاں بھی کھڑکنے لگیں۔میرے والد محترم جوان دنوں ملیریا میں مبتلا ہونے کی وجہ سے آرام میں مشغول تھے مجھ

سے کہا کہ دیکھو! باہر کون (Mentle) آیا ہے؟ اور پہلے نام بھی پوچھ لینا۔ میں نے مشکل سے دروازہ کھولا جو کہ مضبوط ہاتھوں کو ضربات، کی وجہ سے اپنی چوگاٹھ میں بُری طرح پھنس چکا تھا۔'' ۱۹۷؎

خاکہ کے لغوی معنی ڈھانچہ بنانا یا مسودہ تیار کرنا کے ہیں۔ یہ ایک ایسی صنف ہے جس میں کسی شخص کے حقیقی خدوخال قارئین کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ خاکہ نگاری میں ایک جیتی جاگتی حقیقی شخصیت کی دلکش اور دلچسپ پیرائے میں تصویر کشی کی جاتی ہے۔

علی رضا احمد کے ہاں کہیں کہیں خاکہ نگاری بھی دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے واقعات و مشاہدات کے ساتھ ساتھ اپنے مضامین میں حلیہ نگاری کے حصے کو شامل کیا ہے۔ انھوں نے حلیے کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ اگر قاری حقیقت میں دیکھ لے تو ان کے قول و فعل میں تضاد معلوم ہوگا۔ علی رضا احمد کے مزاحیہ خاکوں میں شخصیت کے نقوش مع خامیوں اور خوبیوں سمیت بیان کیے ہیں۔ بعض مزاح نگاروں کے ہاں ہمیں خاکے بے ڈھنگے اور بے جان دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن علی رضا احمد کے ہاں جیتی جاگتی تصویریں ملتی ہیں۔ انھوں نے خاکہ نگاری میں بھی طنز و مزاح کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

''میرے سامنے ایک مرد کھڑا تھا۔ میں نے اس سے ہاتھ ملایا اور اس لمبی ناک والے ہیبت ناک شخص کا نام پوچھا۔ اس کی ناک اتنی لمبی تھی لگ رہا تھا کہ منہ کے اندر جھانک رہی ہے اور دیکھ رہی ہے کہ موصوف نے دن میں کتنی دفعہ دانت صاف کیے ہیں، اور اب کتنے باقی رہ گئے۔ وہ گویا ناک چڑھا کر دانت کھٹے کر رہی تھی اور ان کو ناکوں چنے چبا رہی تھی اس لیے دانتوں کو یہ ناک ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ ناک کیا تھی پورا ناکہ تھی.....'' ۱۹۸؎

''ڈاکٹر صاحب کا رنگ کچھ ''سانو law'' سا ہے، جس کی وجہ سے اکثر کالے سیاہ مریض بھی انہیں ''ڈاکٹر کالا'' کہہ دیتے ہیں اوپر سے نیچے تک

ان کا منہ بھی خاصہ بڑا ہے۔ اگر وہ اس میں سے اپنی بتیسی نکال کر میز پر رکھ دیں تو یوں لگتا ہے کہ یہ کسی میڈیکل کالج کی لیبارٹری میں تجربے کے لئے رکھی گئی ہو۔'' ۱۹۹؎

نثر نگاری میں مضحک کرداروں کے ذریعے مزاح پیدا کرنا پرانا حربہ ہے۔ اس حربے میں مصنف ایسا کردار تخلیق کرتا ہے جس کی وجہ سے سارا ماحول مضحکہ خیز صورت اختیار کر جاتا ہے۔ واقعات اور کردار کا آپس میں گہرا تعلق ہوتا ہے کیونکہ جیسا واقعہ پیش کیا جائے گا ویسں ہی کردار ملاحظہ ہوگا۔ مزاحیہ کردار تخلیق کرنے سے پہلے ایک ماحول پیدا کرنا ضروری ہے۔ ابوالاعجاز صدیقی رقمطراز ہیں:

''مزاحیہ کردار سے مراد کسی کہانی کا وہ کردار ہے جو اپنی سیرت کی بعض خصوصیات کے باعث خندہ آور یا مضحکہ خیز ہو جاتا ہے اور اس طرح قارئین کے لیے تفریح طبع کا باعث بنتا ہے۔'' ۲۰۰؎

علی رضا احمد نے کردار تخلیق کر کے مزاح کو ایک جوش وولولہ عطا کیا ہے۔ وقار مجروح ان کا فرضی دوست بھی ہے اور تخلیقی کردار بھی جس کے گلے میں تمام بیوقوفانہ حرکات لٹکا دی جاتی ہیں۔ علی رضا احمد نے غیر معمولی واقعات سے جو مزاح پیدا کیا ہے ان سے نہ صرف وقتی لطف اٹھانا مقصود ہے بلکہ اس کے ذریعے معاشرتی خامیوں اور نقائص کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے علی رضا احمد کے مزاحیہ کرداروں میں مزاح کا رنگ غالب ہے۔

مثالیں پیش ہیں:

''یہ ضروری نہیں کہ لطیفہ، لیاقت کی کمی بیشی سے بنا کرتا ہے بلکہ وقار مجروح کا ذاتی تجزیہ ہے کہ ہمارا ہر دفتر ہی ''لیاقت'' کا گہوارہ ہے آپ کبھی کسی دفتر فون کریں اور دریافت کریں کہ کیا ادھر لیاقت ہے؟ وہ آگے سے پوچھیں گے کونسا والا بھلوال والا یا بھکر والا۔'' ۲۰۱؎

''سائنسدانوں کے مطابق انھوں نے Stem Cell دریافت کیا ہے

جس سے وہ جسم کے کسی ناکارہ اعضاء کو اُسی شخص کے جسم کے کسی حصے پر دوبارہ اُگا کر اور پھر اسے اپنی اصل جگہ پر پیوندکاری کر سکتے ہے اور یہ اعضا Cell کے اندرونی حصے کی جھلی سے حاصل کیا جا سکتا ہے حالانکہ وقار مجروح کو دن میں عام ٹرانسسٹر سیل نظر نہیں آتا اس سٹیم سیل کی جھلی کہاں نظر آئے گی۔''۲۰۲؎

مکالمہ تحریر یا گفتگو کے دوران ایسی بات چیت کو کہتے ہیں، جو دو افراد کے درمیان ہو یا کسی ادبی تصنیف یا ڈرامے کی صورت میں اسٹیج پر پیش کیا جائے۔علی رضا احمد نے بھی مزاح نگاری کا یہ حربہ اپنی تحاریر میں آزمایا ہے۔انھوں نے اپنے زورِ قلم سے فرضی خیالات اور اختراعی افکار کو مکالمے کا پیکر بنایا ہے۔مکالمہ نگاری میں بھی علی رضا احمد نے اپنا مزاحیہ انداز اپنائے رکھا ہے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ انھوں نے مزاح سے مکالمہ پیدا کیا ہے۔چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

''ایک سردار حجام سے: کیا میرے بال تم نے کاٹے تھے؟

حجام: نہیں جناب مجھے دوکان شروع کئے ابھی آٹھ نو ماہ ہوئے ہیں۔''۲۰۳؎

''ملازم: چودھری چیچک صاحب ہماری تنخواہ بڑھا دیں۔

چودھری: وہ کس بات کی؟ کیا یہ کم ہے کہ ہم آپ کو چودھری کہتے ہیں۔''۲۰۴؎

علی رضا احمد کے ہاں اسلوب کی رنگینیاں ملتی ہیں۔ادبی اُفق پر ابھرتے ہوئے انھوں نے اپنی تحریروں میں دلکشی اور خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے اپنے طرزِ تحریر میں جدت اور اپنی بات کو بیان کرنے کے نت نئے طریقے ایجاد کیے ہیں۔وہ اپنی تحریروں میں موضوعات اور اندازِ تحریر میں اگر تبدیلی نہ لائیں تو شاید ان کی تحریر قاری کے دل کے تاروں میں ارتعاش نہ پیدا کر سکیں۔علی رضا احمد اپنا منفرد اسلوب اختیار کرتے ہیں۔انھوں نے اس جدید دور میں بھی آج کل کے قارئین کے ادبی ذوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی مزاح نگاری کے فن کو جلا بخشی ہے۔گل نوخیز اختر

اپنے انٹرویو میں بتاتے ہیں:

''علی رضا احمد کا اسلوب مزاح نگاری کا منفرد اسلوب ہے۔ وہ شگفتہ اور شائستہ لہجے میں بات کرتے ہیں جس سے قاری کے چہرے پر تبسم بکھر جاتا ہے اور وہ قہقہہ لگائے بغیر نہیں رہتا۔ مزاح میں پہلے تین حرف ہیں اور وہ ہیں ''م۔ز اور ا'' تو مزا ضرور آنا چاہیے۔ علی رضا احمد کی تحریروں کو پڑھنے میں مزا آتا ہے، بے ساختہ مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے۔'' ۲۰۵؎

علی رضا احمد نے جہاں موضوعات میں ورائٹی ڈالی ہے وہیں انھوں نے اپنے فن کو بھی ابھارا ہے۔ ان کے ہاں اُردو ادب کی اصناف ڈوبی ہوئی ہیں۔ انھوں نے اپنی تحاریر میں شعر کے استعمال سے لے کر تشبیہ کی صنف تک طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے ہاں قوافی کا استعمال، مکالمہ نگاری، واقعہ نگاری، خاکہ نگاری، طنز و مزاح، ڈرامائی انداز، کالم، مضمون، تضاد، منظر کشی، ذو معنویت، لفظی تکرار، رعایت لفظی، لطیفہ گوئی وغیرہ نیز ہر صنف ان کے کلام میں چھلکتی نظر آتی ہے۔

علی رضا احمد کی مزاح نگاری کا جائزہ لیا جائے تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف مضمون کو ہی کالا نہیں کیا بلکہ ہر صفحے پر تبسم کی لہریں چلائیں ہیں۔ ان کا مزاح ہنسانے کے ساتھ ساتھ سمجھانے کا بھی ہے۔ ان کے ہر مضمون میں گہرے پیغام چھپے ہیں جن پر قاری فوراً ہی گرفت پکڑ لیتا ہے۔ ان کی تحریریں قاری کو سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ عطاء الحق قاسمی رقمطراز ہیں:

''علی رضا احمد کا مزاح صرف ہنسانے کے لئے نہیں ہمیں کوئی بات سمجھانے کے لئے بھی ہے صرف ہنسانا بھی اپنی جگہ احسن فعل ہے لیکن اگر کسی مزاح نگار کی تحریر ہمیں غور و فکر پر بھی مجبور کرتی ہے تو اس کے 25 نمبر علیحدہ ہیں اور علی یہ اضافی نمبر کبھی نہیں چھوڑتا۔'' ۲۰۶؎

بحیثیت مجموعی علی رضا احمد اُردو ادب میں نئے اُبھرنے والے شاہکار ہیں، ان کے اسلوب

میں ہمیں مختلف رنگ ملتے ہیں۔ وہ اپنے مضامین میں شگفتہ اور شائستہ لہجے میں بات کرتے ہیں۔ اپنی تحریروں میں ایسا مزاح پیدا کرتے ہیں جو نفسی انبساط اور روحانی بشارت سے موجود میں آتا ہے۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں جا بجا سنجیدہ موضوعات کو بھی طنز و مزاح کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ لفظوں کو توڑ کر مزاح پیدا کرنا ایک مشکل امر ہے ان کی اس مہارت سے مضامین میں خاصی دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ علی رضا احمد بات سے بات نکالنے کے فن سے باخوبی واقف ہیں ان کے ہاں ہمیں کوئی بھی بات یا پہلو بے ڈھنگا اور جھول میں لپٹتا ہوا محسوس نہیں ہوتا ہر پہلو کی اپنی ایک انفرادی خاصیت ہے۔ انھوں نے طنز کی کاٹ کے ساتھ ساتھ اپنے قارئین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے کا بھی سامان مہیا کیا

حوالہ جات

۱۔عابد علی عابد، سید۔اسلوب۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص ۹

۲۔طارق سعید۔اسلوب اور اسلوبیات۔لاہور: نگارشات، پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۲۹

۳۔نصیر احمد خاں۔ادبی اسلوبیات۔نئی دہلی: مکتبہ جدید، ۲۰۰۰ء، ص ۱۹

۴۔سلیم اختر، ڈاکٹر۔تنقیدی اصطلاحات۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۳۲

۵۔ Dictionary of Phrase and Fable by the E.Cobham Brewer, LL.D Assell and Company Limited, New York: London, paris and Melbourne, 1900, P-1187

۶۔نثار احمد فاروقی۔اسلوب کیا؟ مشمولہ آزادی کے بعد دہلی میں اُردو تنقید، (مرتب شارب ردولوی، پروفیسر)۔دہلی: اُردو اکادمی، ۱۹۹۱ء، ص ۱۴۱

۷۔شفقت حسین۔اسلوب کا مسئلہ۔مشمولہ اوراق۔لاہور: شمارہ خاص ۲، ۱۹۶۷ء، ص ۸۶

۸۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی۔کشاف تنقیدی اصطلاحات۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۵۸ء، ص ۱۳

۹۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۱ء، ص ۴۰

۱۰۔ایضاً، ص ۵۹

۱۱۔ایضاً، ص ۱۰۱

۱۲۔ایضاً، ص ۱۲۲

۱۳۔ایضاً، ص ۱۲۴

۱۴۔ایضاً، ص ۱۳۲

۱۵۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔لاہور: علی میاں پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص ۵۴

۱۶۔ایضاً، ص ۱۲۲

۱۷۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔لاہور:القمر انٹر پرائزز،۲۰۱۴ء،ص ۵۲
۱۸۔ایضاً،ص ۱۳۹
۱۹۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔لاہور:القمر انٹر پرائزز،۲۰۱۸ء،ص ۴۱
۲۰۔ایضاً،ص ۶۳
۲۱۔ایضاً،ص ۷۵
۲۲۔ایضاً،ص ۷۹
۲۳۔ایضاً،ص ۸۱
۲۴۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۱۳۸
۲۵۔ایضاً،ص ۱۳۹
۲۶۔ایضاً،ص ۹۴
۲۷۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۷۱
۲۸۔ایضاً،ص ۹۶
۲۹۔ایضاً،ص ۱۲۱
۳۰۔ایضاً،ص ۱۲۹
۳۱۔ایضاً،ص ۱۳۱
۳۲۔ایضاً،ص ۱۳۳
۳۳۔ایضاً،ص ۱۳۹
۳۴۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۵۵
۳۵۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۱۳۹
۳۶۔انور جمال، پروفیسر۔ادبی اصطلاحات۔اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن، اشاعت چہارم،۲۰۱۷ء،ص ۷۲
۳۷۔عابد علی عابد،سید،البیان۔لاہور:مجلس ترقی ابد،طبع اوّل،۱۹۸۹ء،ص ۱۳۴

۳۸۔منظر اعظمی۔اُردو میں تمثیل نگاری۔نئی دہلی:انجمنِ ترقی اُردو ہند،۱۹۷۷ء،ص ۴۵،۴۶

۳۹۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۱۹

۴۰۔ایضاً،ص ۸۹

۴۱۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۵۲

۴۲۔ایضاً،ص ۵۳

۴۳۔ایضاً،ص ۵۰

۴۴۔ایضاً،ص ۵۷

۴۵۔ایضاً،ص ۶۳

۴۶۔ایضاً،ص ۱۵

۴۷۔ایضاً

۴۸۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۳۶

۴۹۔ایضاً،ص ۴۱

۵۰۔ایضاً،ص ۴۹

۵۱۔ایضاً،ص ۵۲

۵۲۔ایضاً،ص ۵۶

۵۳۔ایضاً،ص ۵۸

۵۴۔ایضاً،ص ۵۹

۵۵۔ایضاً،ص ۶۶

۵۶۔ایضاً،ص ۷۳

۵۷۔ایضاً،ص ۸۵

۵۸۔ایضاً،ص ۸۹

۵۹۔ایضاً،ص ۲۹

۶۰۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۳۳

۶۱۔ایضاً،ص ۱۵۳

۶۲۔ایضاً،ص ۱۳۷

۶۳۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۳۴

۶۴۔ایضاً،ص ۴۹

۶۵۔ایضاً،ص ۵۱

۶۶۔ایضاً،ص ۵۷

۶۷۔ایضاً،ص ۷۳

۶۸۔ایضاً،ص ۱۴۲

۶۹۔علی رضا احمد۔ابرے غیرے۔ص ۱۵

۷۰۔ایضاً،ص ۲۹

۷۱۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۱۱۴

۷۲۔ایضاً،ص ۱۶

۷۳۔ایضاً،ص ۱۷

۷۴۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۱۵۷

۷۵۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۵۲

۷۶۔ایضاً،ص ۵۶

۷۷۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۲۲

۷۸۔ایضاً،ص ۳۹،۴۰

۷۹۔ایضاً،ص ۵۸

۸۰۔اُردو http://ur.m.wikipedia.org/wiki/

۸۱۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۱۲۸

۸۲۔ایضاً،ص۱۱۱ ۸۳۔ایضاً،ص۱۲۶،۱۲۷

۸۴۔علی رضا احمد۔ابرے غیرے۔ص۱۲۰

۸۵۔ایضاً،ص۱۲۵

۸۶۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص۱۱۰

۸۷۔ایضاً،ص۱۱۱

۸۸۔ایضاً،ص۹۶

۸۹۔ایضاً،ص۱۰۳

۹۰۔پنجابی https://ur.m.wikipedia.org/wiki/

۹۱۔ایضاً

۹۲۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص۵۵

۹۳۔ایضاً،ص۱۷

۹۴۔ایضاً،ص۸۵

۹۵۔ایضاً،ص۱۲۷

۹۶۔علی رضا احمد۔ابرے غیرے۔ص۱۲۹

۹۷۔ایضاً،ص۱۴۲

۹۸۔سرائیکی https://ur.mj.wikipedia.org/wiki/

۹۹۔ایضاً

۱۰۰۔ایضاً

۱۰۱۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص۱۳۰

۱۰۲۔ایضاً

۱۰۳۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص۱۳

۱۰۴۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص۵۸

۱۰۵۔ایضاً،ص ۶۲

۱۰۶۔ایضاً،ص ۷۲

۱۰۷۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۵۴

۱۰۸۔ایضاً،ص ۵۸

۱۰۹۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۴۸

۱۱۰۔ایضاً،ص ۵۹

۱۱۱۔ایضاً،ص ۴۷

۱۱۲۔ایضاً،ص ۸۶

۱۱۳۔ایضاً،ص ۱۳۳

۱۱۴۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۶۴

۱۱۵۔ایضاً،ص ۱۰۸

۱۱۶۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۱۱۲

۱۱۷۔ایضاً،ص ۹۳

۱۱۸۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۱۳

۱۱۹۔ایضاً،ص ۶۷

۱۲۰۔ایضاً،ص ۲۸

۱۲۱۔ایضاً

۱۲۲۔ایضاً،ص ۱۶

۱۲۳۔ایضاً،ص ۶۱

۱۲۴۔ایضاً،ص ۷۰

۱۲۵۔ایضاً،ص ۹۷

۱۲۶۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۱۱۹

۱۲۷۔ایضاً،ص ۱۳۱

۱۲۸۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۵۷

۱۲۹۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۱۶

۱۳۰۔ایضاً،ص ۲۷

۱۳۱۔ایضاً،ص ۵۹

۱۳۲۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۹۰

۱۳۳۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۱۲۳

۱۳۴۔ایضاً،ص ۱۴۸

۱۳۵۔ایضاً،ص ۵۲

۱۳۶۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۱۷

۱۳۷۔ایضاً،ص ۷۲، ۷۳

۱۳۸۔ایضاً،ص ۷۶

۱۳۹۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۵۷

۱۴۰۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۶۱

۱۴۱۔ایضاً،ص ۶۲

۱۴۲۔ایضاً،ص ۶۳

۱۴۳۔ایضاً،ص ۶۴

۱۴۴۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۳۵

۱۴۵۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۹۷

۱۴۶۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۱۶

۱۴۷۔ایضاً،ص ۶۴

۱۴۸۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۱۵

۱۴۹۔علی رضا احمد۔ دجّی آں۔ص ۶۳

۱۵۰۔علی رضا احمد۔ مزاح راہ۔ص ۲۱

۱۵۱۔ایضاً،ص ۴۰

۱۵۲۔ایضاً،ص ۵۴

۱۵۳۔علی رضا احمد۔ دجّی آں۔ص ۱۲۴

۱۵۴۔علی رضا احمد۔ ایرے غیرے۔ص ۵۷

۱۵۵۔ایضاً،ص ۳۶

۱۵۶۔ایضاً،ص ۳۹

۱۵۷۔ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر۔ داستانیں اور مزاح۔ لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۱۹۹۳ء، ص ۱۴

۱۵۸۔علی رضا احمد۔ مزاح راہ۔ص ۱۰۵

۱۵۹۔ایضاً،ص ۸۲

۱۶۰۔ایضاً،ص ۱۳

۱۶۱۔علی رضا احمد۔ مزاح مین۔ص ۲۸

۱۶۲۔ایضاً،ص ۳۷

۱۶۳۔علی رضا احمد۔ مزاح راہ۔ص ۱۱۷

۱۶۴۔Encyclopedia Americana،جلد ۲۴،ص ۲۹۴

۱۶۵۔شوکت سبز واری، ڈاکٹر۔ اُردو شاعری میں طنز و مزاح، مشمولہ: نقوش طنز و مزاح (۷۱، ۷۲)،ص ۸۵

۱۶۶۔راقمہ کا شیخ صدیق سے ٹیلی فونک انٹرویو، ۲۸ جون ۲۰۲۱ء

۱۶۷۔علی رضا احمد۔ مزاح مین۔ص ۹

۱۶۸۔علی رضا احمد۔ دجّی آں۔ص ۱۴

۱۶۹۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۳۴

۱۷۰۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۱۵۵

۱۷۱۔ایضاً،ص ۶۱، ۶۲

۱۷۲۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۱۸

۱۷۳۔ایضاً،ص ۲۰

۱۷۴۔ایضاً،ص ۲۱

۱۷۵۔اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر۔اُردو نثر میں طنز و مزاح۔کراچی: کتاب سرائے، ۲۰۰۴ء، ص ۴۱

۱۷۶۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۵۰

۱۷۷۔ایضاً،ص ۵۹

۱۷۸۔راقمہ کا شیخ صدیق سے ٹیلی فونک انٹرویو، ۲۸ جون ۲۰۲۱ء

۱۷۹۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۸، ۹

۱۸۰۔ایضاً،ص ۲۵

۱۸۱۔ایضاً،ص ۴۷

۱۸۲۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۱۷

۱۸۳۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۴۰

۱۸۴۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۳۲

۱۸۵۔راقمہ کا شیخ صدیق سے ٹیلی فونک انٹرویو، ۲۸ جون ۲۰۲۱ء

۱۸۶۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۶۶، ۶۷

۱۸۷۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۳۷

۱۸۸۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۳۱، ۳۲

۱۸۹۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۲۵

۱۹۰۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۱۶

۱۹۱۔ایضاً،ص ۳۴

۱۹۲۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۳۹

۱۹۳۔ایضاً،ص ۳۹

۱۹۴۔ایضاً،ص ۴۰

۱۹۵۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۲۸

۱۹۶۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔ص ۱۵۶

۱۹۷۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔ص ۱۰۲

۱۹۸۔ایضاً

۱۹۹۔ایضاً،ص ۱۱۳

۲۰۰۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی۔کشاف تنقیدی اصطلاحات۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۵۸،ص ۱۷۲

۲۰۱۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۸۸

۲۰۲۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۳۹

۲۰۳۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔ص ۸۸

۲۰۴۔ایضاً،ص ۹۱

۲۰۵۔راقمہ کا گل نوخیز اختر سے ٹیلی فونک انٹرویو، ۷ جولائی ۲۰۲۱ء

۲۰۶۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔ص ۱۳

باب چہارم

محاکمہ

تجسس وجستجو انسانی فطرت کا خاصہ ہے اسی کی دولت انسان نئی نئی منازل طے کرتا چلا جاتا ہے۔تجسس سے غور وفکر کی عادت پروان چڑھتی ہے جو انسان کے تخیل کو ابھارتی ہے۔سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے انسان کی طبیعت لکھنے کی طرف راغب ہوتی ہے اور وہ قلم سے آشنا ہو جاتا ہے ایک تخلیق کار کے لیے اس کی تحریریں اس کا کل سرمایہ ہوتی ہیں۔وہ قلم کے ذریعے میدان میں اترتا ہے اور معاشرے میں موجود مسائل اور خرابیوں کو کئی سمتوں سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ سماج کے مسائل اور تضادات اس کی فکری رزم گاہ ہوتے ہیں۔

ایک مزاح نگار کے لیے اپنی تحریروں کے ذریعے زیرلب مسکراہٹ کا سامان پیدا کرنا ایک مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے۔وہ اپنی قوتِ متخلیہ سے انسانی سوچ کا سراغ لگاتا ہے اور پھر اس کے مطابق اپنی تحریروں کو ڈھالنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔اس کا مقصد کسی کی تضحیک کرنا نہیں ہوتا بلکہ اپنے اردگرد کے ماحول کو سرسبز وشاداب دیکھنا اس کی زندگی کا حاصل ہے۔وہ اپنے قلم کے ذریعے معاشرے کی تلخ حقیقتوں اور ناہمواریوں کو مزاح کی چاشنی سے ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں ہوتا ہے۔

علی رضا احمد نے یکم دسمبر ۱۹۶۳ء میں ساہیوال کے ایک مذہبی گھرانے میں آنکھ کھولی جس کا سلسلہ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ سے جا ملتا ہے۔ان کا تمام گھرانہ مذہبی سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔انھوں نے ادبی سفر کا آغاز شاعری سے کیا۔انھوں نے ۱۹۹۸ء میں پہلی غزل تحریر کی جبکہ ۱۹۸۵ء میں پہلا کارٹون شائع ہوا۔مزاح کا سفر انھوں نے گوادر جانے کے بعد شروع کیا۔ان کی مزاح نگاری میں معاشرے کے تمام مصائب ومسائل کا یک رنگ ہونا ایک فطری عمل تھا کیوں کہ

مزاح نگار ایسے معاشرے میں سانس لیتا ہے، جہاں وہ مشاہدہ اور سوچ بچار کرتا ہے تو اس کا مزاح بھی اسی سماجی ماحول میں جنم لیتا ہے۔ وہ معاشرے کی کڑوی باتوں کو ہنسی کا لبادہ اوڑھ کر مزاح کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔

علی رضا احمد ایک کثیر الجہت شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کی شخصیت انفرادیت کی حامل ہے۔ وہ نہایت ہمدرد، مخلص اور خوش مزاج ہیں۔ وہ نہ صرف جاننے والوں دوست احباب اور ان کی اولاد کے ساتھ مشفق ہیں بلکہ ادب کے ساتھ منسلک طالبِ علموں کی مدد کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں قاری کے دل و دماغ کو چھو جاتی ہیں۔ مزاح نگاری کے حوالے سے علی رضا احمد کی چار تصانیف منظرِ عام پر آچکی ہیں جبکہ شاعری کے حوالے سے ایک تصنیف ''خشک آنکھیں'' بھی حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ مزاح نگاری کی تصانیف اپنی انفرادی حیثیت کی حامل ہیں۔ ہر تصنیف کا اپنا خاص رنگ، الگ مٹھاس اور انفرادی دلکشی ہے۔ ان کی تصانیف میں مزاح صرف قہقہے بلند کرنے کا ہی نہیں بلکہ اصلاح کا پہلو بھی کارفرما ہوتا ہے۔

علی رضا احمد کے مضامین مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ اُن کے یہاں حقیقت اور موجودہ دور کے تمام مسائل کہانی کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے مضامین میں ہمیں منفرد اسلوب دیکھنے کو ملتا ہے۔ لفظی توڑ پھوڑ، تحریف، تشبیہات ترکیبات، رعایتِ لفظی وغیرہ کا استعمال کرتے ہوئے وہ اپنی ماہرانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مضامین میں معاشرے کی خوبیوں اور خامیوں کی نقاب کشائی بڑی مہارت سے کی ہے۔ انسان کے نمایاں اور صاف ہوں یا کسی نفسیاتی پہلو کا بیان ہو، معاشرتی بدعنوانیاں ہوں یا سیاسی امور کی وضاحت ہو تمام پہلوؤں کا احاطہ بڑے اچھے انداز میں کرتے ہیں۔

علی رضا احمد کے مضامین میں جتنے بھی موضوعات ملتے ہیں وہ تمام کے تمام وقت کی ضرورت ہیں۔ اگر انھوں نے سیاست کے موضوع پر قلم اٹھایا تو زندگی کے ہر پیشیا شعبے میں سیاست کیسے ہوتی ہے اس کو بڑے سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے وہ اخبار میں کالم لکھتے تھے اور ان

کے کالم کا مزاج سیاسی تھا۔اس لیے ہمیں ان کی تحریروں میں سیاسی رنگ نمایاں نظر آتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ انھوں نے صرف سیاست کے موضوع پر ہی قلم اٹھایا بلکہ وہ فلم انڈسٹری کے مسائل کا ذکر بھی کرتے ہیں۔علی رضا احمد کے موضوعات صرف معاشی، معاشرتی، ملکی اور سیاست کے گرد ہی نہیں گھومتے بلکہ وہ معاشرے حتی کہ دوسرے ممالک کی انڈسٹری سے بھی باخوبی واقف ہیں اور گاہے بگاہے ان پر طنز کے نشتر برساتے رہتے ہیں۔وہ نا صرف پاکستانی انڈسٹری کا ذکر کرتے ہیں بلکہ وہ بالی وڈ اور ہالی وڈ انڈسٹری کا ذکر بھی کھلے انداز میں کرتے ہیں۔اُن کے مضامین فکر و نظر کی گہرائیوں اور وسعتوں میں سمیٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

انھوں نے زندگی کو جس طرح دیکھا اپنے تجربات و مشاہدات کا ذکر کر دیا۔ان کی مزاح نگاری نہایت عمدگی کے ساتھ ابھر کر سامنے آتی ہے۔جس کرب و اذیت کو وہ خود محسوس کرتے ہیں وہی درد وہ اپنے قاری تک منتقل کرنا چاہتے ہیں جس کے باعث قاری ان کے مضامین کو پڑھ کر بے ساختہ کراہ اُٹھتا ہے۔طنز و مزاح کے ساتھ ساتھ ان کی زبان کی چاشنی کا لفظ ان مضامین کی لذت اور شدت کو بڑھا دیتا ہے۔ان کا اسلوب بیان قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

علی رضا احمد اپنی تحریروں میں زبان و بیان کی پختگی، تاریخی شعور، مذہبی نظریات، مشترکہ تہذیب کی عکاسی کے فن کو برتنے کے سلیقے سے باخوبی واقف ہیں۔ان کے تمام مضامین میں انسانیت کا فروغ، زندگی کی جدوجہد، مظلوم کی حمایت، ظلم کی مخالفت، سماجی استحصال اور پامال شدہ حقوق کی بازیابی کے لیے ثابت قدمی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

انھوں نے معاشرے کی بدعنوانیوں کو طنز و مزاح کا لبادہ اوڑھ کر پیش کیا ہے۔انھوں نے معاشرے کے کرپٹ افراد، کرپشن زدہ قوم، منافقت بھرے لوگوں کی سستی، کاہلی اور سفارش کو بے نقاب کیا ہے نہ صرف وہ معاشرے کی برائیوں کو بیان کرتے ہیں بلکہ حکمرانِ ملک و قوم اور اور عام لوگوں کو مزاح کے پیرائے میں رکھ کر طنز کی گہری ضرب لگا دیتے ہیں۔جن کی چیخ و پکار ان کے مضامین پڑھنے سے بخوبی سنائی دیتی ہے۔

علی رضا احمد نے معاشرے اور سماج میں نمو پانے والی ہر قسم کی برائی کو موضوعِ سخن بنایا۔

اس کا تعلق چاہئے ملکی قوانین میں غریب عوام سے ناانصافی سے ہو یا جھوٹ اور فریب سے تمام کو بڑی ہنرمندی سے پیش کیا ہے۔ معاشرہ لوگوں سے ملک کر بنتا ہے جب لوگوں کے اندر سے بے ایمانی، دھوکہ دہی اور رشوت جیسی لعنت کا خاتمہ نہیں ہوگا تو معاشرہ بگاڑ کا سبب بنے گا۔

علی رضا احمد نے اپنے مضامین میں انسان کو درپیش تمام مسائل کا احاطہ کیا ہے۔ یہ تمام مسائل، معاشی، معاشرتی اور سیاسی نوعیت کے ہیں۔ ایک اچھے مزاح نگار کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے معاشرے میں پرورش پانے والی برائیوں کو نظر انداز کرنے کی بجائے قلم کے ذریعے اپنی آواز کو بلند کرے اور حقیقت کو بیان کرتا چلا جائے جس سے زیادہ کچھ نہیں مگر معاشرہ میں اصلاح کا پہلو مزید وجود میں آئے گا، جس سے چیزیں مزید بگاڑ سے بچ جائیں گی۔ علی رضا احمد کے مضامین میں ہمیں معاشرتی و سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ ان کے تجربہ اور تخیل کی آمیزش بھی دکھائی دیتی ہے۔ ان کے موضوعات مشرقی اور مغربی تہذیب کے بہترین عکاس ہیں۔ انھوں نے اپنے مضامین میں عصرِ حاضر کے عالمی بحران، ذہنی دباؤ اور عدم یقین کی صورتِ حال کی عکاسی بڑے بہترین انداز میں کی ہے جس سے ایسا تاثر پیدا ہوتا ہے کہ جیسے وہ موجودہ دور کو سامنے رکھ کر اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہوں۔

علی رضا احمد زندگی کے باہمی تلخ و شیریں میل جول کو رنگ کی صورت میں بیان کرنے کے خواہش مند ہیں۔ وہ ان رنگوں کو طنز و مزاح کے کینوس پر بکھیرتے ہیں۔ ان کے مضامین کی فضا سماجی واقفیت سے جنم لیتی ہے۔ ان کے مضامین میں پیش کردہ تہذیبی سچائیاں محض تخیل کی پیداوار نہیں بلکہ مشرق و مغرب کے ساتھ تضاد سے جنم لیتی ہیں۔

ایک کامیاب مزاح نگار وہ ہوتا ہے جو نہ صرف اپنی سوچ کے دائرہ کار کو اپنے ملک کے ماحول اور اس کے مسائل تک محدود رکھے بلکہ دیگر ممالک میں انسانیت کو کون سے مسائل درپیش ہیں اور وہ کس طرح حالات کا مقابلہ کرتے ہیں ان تمام مسائل کو ایک دوسرے سے ربط قائم کرنا ہی ایک مزاح نگار کو کامیابی و کامرانی کے منازل کی طرف لے جاتا ہے، علی رضا احمد اس فن سے باخوبی واقف ہیں۔ انھوں نے اپنے مضامین میں مغربی ممالک سے تعلق رکھنے والے افراد کے

مسائل اور تکالیف کو بھی اپنے موضوع کا حصہ بنایا ہے۔

خصوصاً ایشیائی تارکین کے درپیش مسائل کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ انھوں نے اپنے کرداروں کے ذریعے اپنے مضامین کو اصلی صورت حال کا عکاس بنایا ہے۔ انھوں نے عام سی بات کو بھی نئے اور خاص ڈھنگ میں پیش کیا ہے جس سے وہ بالکل الگ تھلگ محسوس ہوتی ہے۔ ان کے مضامین قاری کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔

ان کے مضامین کی خاصیت یہ ہے کہ شروع کی چند سطریں ہی اتنی عمدہ اور بے ساختہ ہوتی ہیں جو ہمارے تجسس کو ابھارنے میں کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ یہ انسانی فطرت میں شامل ہے جو چیز کھول کر بیان کر دی جائے وہ وقت کے ساتھ ساتھ اپنی دلچسپی اور اہمیت کو کھرا کر دیتی ہے جبکہ جس چیز کو ڈھکے چھپے اور تجسس کے پیرائے میں بیان کیا جائے وہ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ نئے معنی و مفہوم کو جنم دیتی ہے۔ ان کے مضامین میں زبان سادہ اور اسلوب رواں ہے۔ ان کے ہاں ہمیں نسوانی اور مردانہ دونوں طرح کے کردار ملتے ہیں۔

علی رضا احمد نے اپنے مضامین میں نفسیات پر زور دیا ہے۔ انھوں نے ہمارے ناقص عدالتی نظام اور خاص کر قانون کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ اس کے لیے انھوں نے شخصی موضوع، ذات اور برادری پر بھی طنز کے تیر چلائیں ہیں کہ کس طرح لوگ ذات و برادری کو برتری دیتے ہیں اور انسانیت کو کچلتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ انھوں نے مشرق و مغرب دونوں تہذیبوں میں ڈھلنے والے کرداروں کی عادات و اطوار اور اخلاق کی نمائندگی بڑی عمدگی سے کی ہے۔ سادگی، سلاست روانگی تحریروں کا وصف ہے۔ وہ روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ جدت پسندی کے قائل ہیں۔ اس جدت پسندی میں وہ قاری کی فکر اور اس کے ذہنی بیجان کو بھی ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔

زبان میں شرینی، شائستگی اور روانی بھی موجود ہے۔ اپنے جذبات احساسات، خیالات، نظریے اور فکر کو خوب صورت الفاظ میں ڈھالنے سے باخوبی آگاہ ہیں۔

علی رضا احمد کے مضامین قارئین کو اپنے سحر میں جکڑے ہوئے ہیں جن سے رہائی کسی

صورت میں ممکن نہیں کیونکہ ان مضامین میں وہی حالات واقعات اور عادات وخصائل ہیں جس سے عام زندگی میں ہر انسان کا واسطہ پڑتا ہے۔ان کے مطالعہ وسیع، گہرا اور جاندار ہے۔ان کی تحریروں میں انگریزی، فارسی، پنجابی، سرائیکی اور ہندی کے الفاظ کا استعمال بھی ملتا ہے۔ جہاں پر وہ حقیقت کے علمبردار نظر آتے ہیں وہیں پر انسانی نفسیات کو سمجھنے اور مسائل کو بڑے عمدہ طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ وہ بوجھل اور بھاری بھرکم الفاظ وترکیب سے اپنے مضامین کی تزئین و آرائش پر توجہ دینے کی بجائے اپنی آس پاس بکھری زندگی اور محاروں کو استعمال کرتے ہیں۔ انھوں نے لفظی توڑ پھوڑ، رعایت لفظی، تحریف نگاری اور اشعار کے استعمال سے اپنی تحریروں میں جان پھر دی ہے۔

علی رضا احمد نے اپنی تحریروں کو مزید دلکش اور خوب صورت بنانے کے لیے تشبیہات، ضرب الامثال، کہاوتوں اور مصرعوں سے بھی کام لیا ہے۔ یہ لوازمات ان کے مضامین میں اختصار کی خصوصیات پیدا کرتے ہیں۔ان کے کچھ مضامین طویل بھی ہیں لیکن طوالت کے باعث اپنی انفرادیت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔یعنی ان میں وہی فکر اور تخیل کی گہرائی ملتی ہے جو باقی کتابوں میں موجود مضامین میں شامل ہے۔

علی رضا احمد کے مضامین فکر کی گہرائی، زمانے کے مزاج، ہر موضوع میں اچھوتا پن، لہجے میں تروناز گی اور ندرت ان کے اسلوب بیان کی خوبیاں ہیں۔انھوں نے جذبات کا سچا اور کھرا اظہار کیا ہے کیونکہ جب تک آپ کے جذبات واحساسات میں سچائی اور کھرا پن نہیں ہوگا تب تک قارئین اس تاثیر کو محسوس کرنے سے قاصر رہیں گے۔

انھوں نے معاشرے کی کھوکھلی تہذیب، معاشی تفاوت اور تضاد کو پیش کیا جس سے ان کے ہاں ذاتی تجربے کا ثبوت ملتا ہے۔علی رضا احمد نے معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے والے عناصر یعنی دولت کی افراط، غربت اور محرومی کو قاری کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے۔وہ تخیل کی دنیا میں جینے سے انکار کرتے ہیں، وہ حقیقت کے متمنی ہیں۔ان کی تحریروں نے ہماری زندگی کے مختلف رویوں، جذبوں اور احساسات کو بیان کیا ہے۔ایک اچھا مزاح نگار وہ ہی ہوتا ہے کہ جب وہ

حالات وجذبات کی عکاسی کرے تو قارئین پر سحر طاری ہوجائے کہ یہ ہماری زندگی کے ہی مضامین نہیں بلکہ حقیقت ہے جس میں ہم جی رہے ہیں۔ انھوں نے زندگی کے نفسیاتی مسائل، فرد کی الجھنوں اور تنہائیوں کو بھی موضوع بنایا ان کے ہاں فکر کی بلندی اور فن کی پختگی عروج پر ہے وہ کہیں پر بھی اس ڈگر پر ڈھیلے پڑتے دکھائی نہیں دیتے۔

بحیثیت مجموعی کہا جاسکتا ہے کہ زبان وواقعات کی بنت، مشاہدہ اور تجربات کی خصوصیت، کرداروں کے باطن میں جھانکنے اور ان کی نفسیاتی الجھنوں کی گھتیوں کو سلجھانے کی صلاحیت اور معاشرتی مسائل کا ادراک اور غور وفکر اور صلاحیت، علی رضا احمد کو پختہ مزاح نگار بنانے کی سند ہے۔ نیز قوتِ مشاہدہ، سماجی مسائل کا گہرا شعور، موضوع پر فنکارانہ گرفت، نفسیاتی بصیرت اور اشتیاق تذبذب کو ہر موڑ پر برقرار رکھنے کی صلاحیت نے علی رضا احمد کو نامور ادیب بنایا۔ علی رضا احمد زندگی کے ہر لمحے سے مسرت کشید کرنا جانتے ہیں اور یہی مسرت وہ اپنے مضامین کے ذریعے قارئین کو دیتے ہیں۔

مصادر

۱۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی۔کشاف تنقیدی اصطلاحات۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۵۸ء

۲۔اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر۔اُردو نثر میں طنز و مزاح۔لاہور: بیگ الحکمت، ۲۰۰۴ء

۳۔القرآن کریم۔ پارہ ۱۳

۴۔انور جمال، پروفیسر۔ادبی اصطلاحات۔اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن۔اشاعت چہارم، ۲۰۱۷ء

۵۔ایم سلطانہ بخش، ڈاکٹر۔داستانیں اور مزاح۔لاہور: مغربی پاکستان۔اُردو اکیڈمی، ۱۹۹۳ء

۶۔سلیم اختر، ڈاکٹر۔تنقیدی اصطلاحات۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء

۷۔طارق سعید۔اسلوب اور اسلوبیات۔لاہور: نگارشات پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۸۔عابد علی عابد، سید۔اسلوب۔لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء

۹۔عابد علی عابد، سید۔البیان۔لاہور: مجلس ترقی ادب۔طبع اوّل، ۱۹۸۹ء

۱۰۔علی رضا احمد۔ایرے غیرے۔لاہور: علی میاں پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء

۱۱۔علی رضا احمد۔دھجی آں۔لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۰۱ء

۱۲۔علی رضا احمد۔مزاح راہ۔لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۱۴ء

۱۳۔علی رضا احمد۔مزاح مین۔لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۲۰۱۸ء

۱۴۔محمد الدین فوقؔ۔تواریخ اقوامِ کشمیر۔سرینگر: گلشن پبلشرز، جنوری ۱۹۹۴ء

۱۵۔منظر اعظمی۔اُردو میں تمثیل نگاری۔لاہور: انجمن ترقی اُردو ہند، ۱۹۷۷ء

۱۶۔نصیر احمد خاں۔ادبی اسلوبیات۔نئی دہلی: مکتبہ جدید، ۲۰۰۰ء
۱۷۔وزیر آغا، ڈاکٹر۔تنقید اور جدید اُردو تنقید۔کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۸۹ء

رسائل و جرائد:

۱۔اعجاز حسین سیّد، ڈاکٹر۔ ہنسنے کی ابتدا اور اہمیت مشمولہ نقوش طنز و مزاح نمبر (۲۷۔۱۷)۔لاہور: ادارہ فروغ، جنوری، فروری ۱۹۵۹ء
۲۔شفقت حسین۔اسلوب کا مسئلہ۔مشمولہ اوراق۔لاہور: شمارہ خاص ۲، ۱۹۶۷ء
۳۔شوکت سبزواری، ڈاکٹر۔ اُردو شاعری میں طنز و مزاح۔ مشمولہ نقوش طنز و مزاح نمبر (۲۷۔۱۷)
۴۔نثار احمد فاروقی۔اسلوب کیا ہے؟ مشمولہ آزادی کے بعد دہلی میں اُردو تنقید۔(مرتب شارب ردولوی، پروفیسر)۔دہلی: اُردو کادمی، ۱۹۹۱ء

انٹرویو:

راقمہ کا علی رضا احمد سے انٹرویو

ٹیلی فونک انٹرویو:

۱۔راقمہ کا اظہر سعید سے انٹرویو
۲۔راقمہ کا خلدون علی رضا سے انٹرویو
۳۔راقمہ کا گل نوخیز اختر سے انٹرویو
۴۔راقمہ کا شیخ صدیق سے انٹرویو
۵۔راقمہ کا ملک سلمان سے انٹرویو
۶۔راقمہ کا ناصر ملک سے انٹرویو

انگریزی لغات:

1.Dictionary of Phrase and Fable by the E.Cobham Brewer, LL.D Aassell and Company Limited, New York - London: Paris and Melbourne, 1900

2.Encylopedia Americana - 14

3.Encylopedia Americana - 24

انٹرنیٹ:

1.https://ur.m.wikipedia.org/wiki/اُردو

2.https://ur.m.wikipedia.org/wiki/پنجابی

3.https://ur.m.wikipedia.org/wiki/سرائیکی

4.https://ur.m.wikipedia.org

5.https://dunya.com.pk/index.php

6.https://ur.m.wikipedia.org

7.https://www.google.com/ampIs/www.express.pk/story

A Thesis submitted to Lahore College for Women University, Lahore in Partial Fulfillment of the requirements for the degree BS Urdu.

ALI RAZA AHMAD
as comedy writer

Written by:

Hadia Sehar

Translated by:

Prof. Dr. Saima Jabeen

Urdu Sukhan Pakistan

Art Land, Girls College Road, Urdu Bazar
Chowk Azam Distt. Layyah (Punjab-Pakistan) Cell# +92 3027 844 094

I N D E X

Preface	Hadia Sehar	3
Biography		8
Family background:		11
Childhood:		12
Education:		13
Career:		14
Married life/ Children:		15
Avocations:		16
Commencement of literary life		17
Creations (Books by Author)		19
Personality:		20
A Brief introduction to Ali Raza Ahmed's books		23
Dhajian (دھجی آں)		23
AirayGhairay (ایرے غیرے)		24
Mazah Rah (مزاح راہ)		25
MazahMeen (مزاح مین)		26
Evaluation		27
References		32

PREFACE

All praise is due to Allah Most Gracious, who created this universe and man from clotted blood. "Alhamdulillah" (praise be to God) is a serene state of mind, a state of tranquility, a journey from the unattainable to the achiever. Generally, these words are not uttered by everyone. The deaf look up at the sky and say Alhamdulillah (praise be to Allah), but we human beings are a long way from speaking the words we are supposed to speak. Everything is provided by Allah, the Lord of Glory, but there is no "Alhamdulillah" to express gratitude to Allah for His beneficent providence (praise be to God).

It took me a few years of my life to grasp the significance of the phrase Alhamdulillah (praise be to God). These words are recited in prayers, but when I comprehended them, tears welled up in my eyes. I am eternally indebted to Allah Subhanahu WA Ta'ala. Nothing is possible apart from God Almighty's pleasure. Any task in life is impossible without Allah's remembrance and the salutation of His last Messenger, Muhammad (Peace Be Upon Him). I am grateful to Allah, the Lord of Glory, for providing me with the opportunity to write some truly magnificent work that I could hardly believe. May Allah Almighty and His last Prophet Muhammad (Peace Be Upon Him)bless every good word and deed of mine.

The ink in my pen will fade, and the memories of a four-year journey will float away, but my love for Lahore College for Women's University will last forever. Since childhood, I've enjoyed keeping diaries. In fifth grade, I kept a diary hidden so no one could read it. A man is so self-absorbed that he can’t even reveal his secrets at an early age. Anyway, Lahore College, a Women's University, was my first step toward sampling literary "sauces." This is training and development facility as well as an educational

institution. "I have to learn and achieve a higher position in life through literature," I thought as I entered Lahore College for the first time. Slowly, the paths were paved. I was studying Urdu literature. "What will I do to achieve this goal?" I thought. Finally, "she has read Urdu literature," but I have read the norms of life and have adapted to them. The Urdu literature taught me about life's demands, which are bitter but true.

Slowly and steadily, I read Urdu literature and became acquainted with every new aspect of life. Lahore College for Women's University's Urdu Department not only provided me with worldly knowledge, but also religious knowledge. This institution had a significant impact on both my education and training. Today, this journey has come to an end, and I wish you all the best. May Allah, through His grace, bless and make known this institution and the Urdu department.

My journey, which began at Lahore College for Women's University, is now nearing its end. The heartbeat quickens when you realize how short the journey was and how quickly time passed. This educational program requires a dissertation. Choosing a supervisor was the first step. My supervisor, Dr. Ayesha Azeem, was chosen from the list of supervising dissertations. This made me very happy. Every time I saw her in Urdu class, I wished for the word ‘alas'. During my four-year education program, I never got to benefit from her? Until the seventh semester, I wished Dr. Ayesha Azeem would teach.

Allah knows the secrets of the hearts and has given me this priceless gift in the form of my supervising essay. "Don't worry, Hadiya, your topic will be paramount," I told myself, as I saw Dr. Ayesha Azeem as my concierge. My thesis is "Ali Raza Ahmed as a Comic Writer."

Three remarkable chapters comprise the article under review.

1. The first chapter is titled "Ali Raza Ahmed's Biography and Personality Traits," and it contains Ali Raza Ahmed's life story

and introduction. Another section of this chapter is devoted to a synopsis of Ali Raza Ahmed's books. In which a brief overview of his distinctive and characteristic style of writing is specified.

2. Chapter II is titled "Ideological Review of Ali Raza Ahmed's Humorous Writing," and it highlights the subjects covered in Ali Raza Ahmed's humorous and hilarious writing.

3. Chapter III, "Ali Raza Ahmed's comical Artistic Review," examines his humorous writing from a technical standpoint.

Following an intellectual and technical examination of Ali Raza Ahmed's comedy features, the review's title summarizes the findings. In conclusion, book sources are included.

I am indebted to Dr. Ayesha Azeem, my dissertation editor, for accepting me despite my shortcomings and ignorance. I am fortunate to have the love of Dr. Ayesha Azeem, a diligent, compassionate, friendly, dutiful, and extremely loving teacher. She steered me in the right direction toward knowledge and literature and sparked my enthusiasm for my abilities. It is a special grace of God Almighty that I had the opportunity to work on the humour of renowned contemporary comic writer Ali Raza Ahmed under the tutelage of Dr. Ayesha Azeem.

Mr. Ali Raza Ahmed, who volunteered his time to provide information for the dissertation, must also be acknowledged here. Dr. Ayesha Azeem's role in guiding me through my thesis is absolutely crucial. My thanks are inadequate, but I pray for her from the depths of my heart. May Allah bless her in this world and the next. (Amen)

اپنے استادوں کو پایا ہم نے مشفق مہربان
حق نے بخشے ہیں انہیں اوصاف میر کارواں

I am eternally grateful to Dr. Naila Anjum, Dr. Norin Razzaq, and Dr. Shabnam Niaz, who guided me and equipped me with the skills necessary to write a research paper on any literary figure. It was possible under the supervision of teachers. They not only imparted knowledge upon me, but also aided me in every way

possible. They all aided me in completing my research paper's objective. I am honored to have had the opportunity to study under sophisticated and well-mannered instructors. Despite their hectic schedules, they were able to provide me with valuable information. May Allah bestow upon them blessings in this world and the next. (Amen)

The gift of parents who sincerely pray for their children is one of God's most precious gifts. My parents taught me how to hold a pen. Their enthusiasm taught me the word "reading." My parents, who have always been the best teachers and parents, deserve all the credit. I owe a lot to my late grandmother, whose love influenced me. When I was in sixth or seventh grade, she used to tell me stories and tales that would help me in the future. My parents' and grandmother's prayers have been included in every stage of my life. My aunt Shagufta Tasneem, who encouraged me to read Urdu literature and provided me with information, is greatly appreciated. She used to say that Urdu literature is the hardest to achieve, and medical education is easier. You have shown great courage in choosing Urdu literature. Thanks to her encouragement, I finished the four-year Urdu Literature Education Program today. May Allah reward them all. (Amen)

It is also very important for me to thank my dear brothers and sisters Hafiz Ibtisam Ahmed, Rabia Umair, and Rimsha Fatima who have strengthened my spirits and helped me on my journey so far. May Allah bless them with success and achievements in every test in this world and the hereafter. (Amen)

I am obliged to my friends Shumaila Kanwal and Noor Fatima, who paid me special compliments for being sincere friends throughout the research paper's duration. They not only guided me, but also assisted me through each difficult stage, with their sincere attitudes and loyalties enriching my life. Each moment spent with them is one of the most enjoyable and memorable of my life. May Allah bless them and grant them

excellent fortune. (Amen)

I am extremely appreciative of Ali Raza Ahmed's admirable assistance with my research paper. Whenever I had an issue with an article, he was always a figure of compassion and love for me. May Allah Most High keep him under the protection of His mercy. (Amen).

I am extremely appreciative to my moderator, Miss Sughra, for providing materials for my research paper and assisting me in finalizing my thesis. May Allah shower her with love. (Amen)

I am grateful to my class for the wonderful memories and, in particular, to AniqaAyub, my best friend. Their company is one of the most memorable parts of life. Their unalloyed love heightened my sense of taste. May Allah bestow happiness on them. (Amen)

Finally, I am grateful to a person who blended my life with the fragrance of buds, taught me the instruments of life, and filled my eyes with smiles. May Allah bestow upon him blessings in this world and the next. (Ameen)

This is my first attempt at research, and there may be multiple mistakes to correct. I hope readers will appreciate my research efforts and notify me of any errors they find.

Hadiya Sehar
Lahore College University
Essayist/Dissertator

Biography

The history of literature is replete with notable individuals who adopted one genre of literature and then worked tirelessly to bring that genre to its pinnacle. Since Pakistan's inception, our writers

and poets have produced work of such quality that they are proudly included in international literary achievements.After the nation's independence, literature soared to new heights in its creativity. It is the star that shines at all times and in all places, and whose brightness never fades.

Ali Raza Ahmed is one of the most prominent figures in contemporary Urdu writing. He began his literary career by drawing cartoons, but since God had entrusted him with the responsibility of making God's creatures smile, he switched to sarcasm and humour. Ali Raza Ahmed is a multilingual illustrator, humorist, and poet.

Ali Raza Ahmed was born on December 1, 1963, in Sahiwal, Pakistan, on the 13th day of the Islamic month of Rajab.

> "I have an almanac for the year 1963, a property of my grandfather (fortunately, which is now in my hands), in which a page for December shows that a son was born at the residence of Ali Ahmad Sabri on Sunday, December 1, 1963, at 2:10 p.m. which isthe 13th day of the Islamic month of Rajab," he said in an interview. My grandfather, who had some knowledge of astrology, kept this almanac in excellent condition, and he recorded the details of my birth chart in relation to my life line credentials (1).
>
> As a result, his birth date and time, as well as his literary output, are extremely exact. "My father, Ali Ahmed Sabri, was likewise born on Sunday, December 1, 1930," Ali Raza Ahmed says in a book reference, "although we both have different hobbies and habits." (2)

His mother's name is Jamila Kishwer, and she taught him how to write Urdu letters. She now lives with him in Lahore, but his father has gone to the heavens. Ali Raza Ahmed is the eldest of

the siblings. He has two sisters and three brothers. His brother, Ali Zia Ahmed, works for a mobile phone company, while Ali Ata Ahmed worked in the United Kingdom for a period before returning to Sahiwal. Ali Zaka Ahmed, the youngest brother, works in the garmentsbusiness.

Aliya and Shazia, Ali Raza Ahmed's two sisters, are married housewives. Sahiwal and Rawalpindi are home to their entire families.

> Sahiwal is a captivating and lush city in Punjab. The name of this city was changed to Montgomery during the reign of the colonial British era, in honour of Lord Montgomery, but Sahiwal is the name of the bulk of the Sahi cast here. (3)

The Punjab Province of Pakistan is divided into nine divisions. The current population of the Sahiwal region is 16,271,247 people, according to the 1998 census, with a 1.92 percent annual growth rate. (4) Okara, Pakpattan, and Sahiwal districts have formed the Sahiwal Division since 2004.

> "Humans have lived in the city since before BC. The ancient city of Harrapa is also located in the vicinity of Sahiwal region, although it was destroyed at various times. The territory was periodically populated and destroyed, as evidenced by centuries-old ruins and other archaeological evidence, but the tiny city of Sahiwal was founded about 570 years ago. "

Sahiwal is a thickly populated city located between the Ravi and the Sutlej rivers. This city also hosts a variety of local traditional fairs. "It is reported in this regard:

> "The Sahiwal district hosts an annual fair and the city observes a local holiday on this day. Mela Kameer (Mela Kameer) "In Sahiwal, it is

regarded as one of the largest local commemorations, with millions of pilgrims attending." (6)

Sahiwal district, like other districts in Punjab, is an agricultural district with a variety of crops grown. It is one of Pakistan's most fertile districts, with a diverse range of crops. Sahiwal became more appealing due to the entertainment and swings. Sahiwal's buffaloes are renowned throughout Pakistan. Ittefaq Sugar Mills, Engro, and other businesses are also located in Sahiwal. Before the partition, Montgomery Sweats, the first subcontinent biscuit factory, was established here.

When it comes to academic and literary celebrities, Sahiwal has produced a number of literary figures that have carved out a niche for themselves in the world of literature. It is written in the record that: "In terms of literary personalities, it is mentioned that:"

"Munir Niazi, Tariq Aziz, Dildar Pervez Bhatti, Majeed Amjad, Dr. A.D. Naseem, Kanwar Mahendar Singh Bedi, and Jaffar Shirazi are among Sahiwal's intellectual and literary figures. Other writers that brought Sahiwal to the literary world include Kashif Bashir Kashif, Akhtar Sardar Chaudhry, Rashid Farooq Butt, BadrSimab, BahzadJazib, Salman Bashir, Waheed Raza Aajez, Amir Ali, and Prof. Shahid Rizwan. " (7)

Family background:

Ali Raza Ahmad's family came to Sindh from the Arabian Peninsula. "My forefathers arrived from Arabia around 1790 and lived in Kotri, Sindh," Ali Raza Ahmed said in his interview. Emigration is likely to have resulted from Muhammad Bin Abdul Wahab's extensive unrest and killing of Muslims. Haji Ali Akbar, my great-grandfather, went to Jalandhar, a city in East Punjab, after living in Kotri for forty years. As a result, my veins are

primarily made up of Mughal and Arab blood. (8)

Ghulam Qadir Ahmed, Ali Raza Ahmed's great-grandfather, worked for the Canal and Irrigation Department as a surveyor. When the canal Lower Bari Doaab was being built in the Punjab region in 1890, he was transferred to Sahiwal. His grandfather retired once the canal was completed in 1914, and his family opted to make Sahiwal their permanent home. Sultan Ahmed, his grandfather, was a horologist and a spiritual figure. In Pakpattan Bazaar, Sahiwal, he founded a watch and camera shop in 1914.

Professor Nazir Ahmed, Ali Raza Ahmed's uncle, was also involved in literature, and several of his Islamic publications have surfaced. He was an associate professor at Govt. College Sahiwal, while his younger uncle was a professor at Govt. Islamis College in Lahore. Ali Raza Ahmed grew up in a devout household. He writes, "In this regard, he writes:

> "I am descended from a devout family. My grandfather was the Caliph of the ChishtiaSabria dynasty. He was the spiritual disciple of Hazrat Shah Muhammad Hassan of Rampur India. Later his son Hazrat Shah Arif Hassan became spiritual caliph andtaken over responsibility of hisfather's spiritual dynastyofcaliphate. During celebration of Urs manymeal were prepared for everyone starting early in the morning, and a Qawwali (spiritual melody) ceremony was held in the evening. Grandpa used to arrange other supplications as well, and I kept a wary eye on him. In 1976, I became his disciple and became a member of the Chishtia dynasty this was a year when my grandfather left us forever. (9)

Muhammad Azmatullah Sheikh (deceased), Ali Raza Ahmed's maternal grandpa, worked for Pakistan Railways Rawalpindi. During patrician of subcontinent,he moved to Lahore from

Jalandhar and remained in refugeescamps. Throughout the migratory period, people faced numerous obstacles, and cholera and other epidemicswere broken out as anadditional tragedy. Numerous members of our family died of cholera in Lahore during the relocation.

Childhood:

Ali Raza Ahmed grew up with pride and happiness, but not with lot of material and wealth. He had been a bit naughty since he was a toddler. "We were both pretty smart boys, but Ali Raza Ahmed had always been the leader of the escapade," his childhood friend Azhar Saeed Anwar (Kuka) recalls. "His favourite pastime was ringing the doorbell and fleeing."

Children who are mischievous in childhood are those who will grow up to be more mature adults. Ali Raza Ahmed was also a bright kid when he was younger. He enjoyed kite flying during the day, in addition to ringing the bell and fleeing. Ali Raza Ahmad, on the other hand, is now a prolific writer of humour, satire, and poetry. He describes the most memorable kite-flying occasion in the following words:

> "When I was in 2nd class in school at the age of seven, I slipped down and plunged into the basement while flying kites from my house's rooftop. When I awoke from unconsciousness, I found myself still at home, rather than in hospital. I remained unconscious for three hours at home while the rest of my family stayed awake and engaged in their daily activities without feeling any trouble. “(11)

Education:

Ali Raza Ahmed was born and raised in a literary family. His

house exuded a holy aura. Ali Raza Ahmed's early education began at home when he was four or five years old and was taught by Rana Javed Ahsan, a student of his father's. Uncle Rana Javed Ahsan was the name of his first teacher, according to Ali Raza Ahmed:

> "Rana Javed Ahsan possessed an aristocratic bearing. His prose was equally as impressive as he was. He invested significantly in my early education and assisted me in acknowledging my potential. "(12)

Ali Raza Ahmad's parents instilled in him religious and moral values, while his tutors instilled in him scholarly and literary knowledge. When his father got concerned about hiseducation in vogue and school admission, he desired to took him in school and began to prepare him for school and purchaseduniform and books for him and then driving him towards school. Ali Raza Ahmed recalls his first day of school as follows:

"On the first day of school, April 1968, at least four individuals, including my father, came into the classroom to send me off. A child was being beaten by the teacher at that time. I tossed the bag in air and the ink out of my hand as soon as I witnessed this scenario and fled home. I was wearing new boots, but the shoes of the runners after me testified that I could run faster than them, and they were unable to apprehend me, and I stated in a family-based "press conference" that I would never go to this school again. (13) But I afterwards regretted my statements any how because I had proven to be a bit of a politician.

Ali Raza Ahmed received his matriculation certificate from Government High School Sahiwal in 1979. The family was ecstatic with his victory because they had given up hope. He completed the Intermediate in Commerce examination in Sahiwal at the end of 1981, after completing his matriculation exams. Laterin year 1985, he graduated from Govt. Islamia College of

Commerce Lahorewith a Bachelor in Commerce degree. The Bachelor in Commerce was only accessible in Lahore at the time, so he transferred to the Lahore in Iqbal Hostel. In 1998, he received his Master in Political Science from Punjab University Lahore.

Career:

Ali Raza Ahmed began his career in 1987 at Multan Airport with the Civil Aviation Authority of Pakistan, after completing his Bachelor of Commerce degree and before applying for jobs at the State Bank of Pakistan and Pakistan Television. However, he was unable to achieve his goal. In his first interview with the Civil Aviation Authority in 1986, he was successful. This was his first job as an Accountant.

> Ali Raza Ahmed was stationed in Multan for eight years, with the intention of transferring his mindset to Lahore, but in 1995 he was assigned to Gwadar. He spent seven years in Gwadar. In 2002, he was ultimately transferred to Lahore, where he currently works as a Senior Joint Director Accounts for Civil Aviation Lahore. Ali Raza Ahmed is one of those individuals that perform their duties with integrity in all fields. (14)

Married life:

Nabila Ali Raza is his wife's name. Her educational background includes a bachelor's degree. In December 1993, she married Ali Raza Ahmed. In an interview, Ali Raza Ahmed says about his wife: "She is a lady with lovely manners and nice habits. She enjoys reading various literature as well. She occasionally gives me advice and offers her opinion on my articles "

> Nabila Ali Raza says about her husband: "Ali Raza Ahmed is a very good man and a very

caring husband," she says. He is a man with a steady temperament and a strong desire to love we all. He was an excellent husband, son, and brother, and he never acted inappropriately toward anyone. Ali Raza Ahmed has done remarkably more for his family than a father or a son can do, in his valid and true source of income. (16)

Children:

Ali Raza Ahmed has two sons and two daughters. Faique Ali Raza, the eldest son, completed his BS in Computer Science and now works at Arfa Karim Tower Lahore. Since he was a child, he has had a passion for music. Ali Raza Ahmed gave him a guitar while he was in high school, and he has since become a music master. Khuldoon Ali Raza is his other son. He graduated from Government College University Lahore (G.C.U) with a degree in Electrical Engineering and has been associated with Adsells Advertising for the past year. He is now employed by the same organization as an Electrical Assistant Manager. Her eldest daughter, Mah eYameen Amna, is a five-year Bachelor of Dietetics & Nutritional Sciences student in the University of Lahore. Mahnoor Fatima is his youngest daughter, first-year intermediate student. Ali Raza Ahmed is a good parent to his sons and daughters. A mother loves her boys and a father loves his daughters, just like in traditional parenting. Ali Raza Ahmed adores his daughters as well. In his interview, he explains this as follows:"

By the way, I adore all of my children, particularly my daughters.

"My father loves all children, but I believe he loves Mah eYameen Amna very much," Khuldoon Ali Raza said in his interview. "Sometimes, the

father overlooks some of our concerns while prioritizing the daughters." (18)

"Ali Raza has been a wonderful father and husband," Nabila Ali Raza said. His efforts were centered on religious and formal education, as well as providing complete freedom to children in their daily lives. However, Ali Raza Ahmed occasionally transforms into a child with the children and participates in their activities as if he were a child himself. "

Avocations:

The poetry, literary booksand history are Ali Raza Ahmed's favourite subjects. He enjoys reading books on a variety of subjects. His first favourite book was Qayyum Ehtesami's Muhammad Ali (Boxing Legend), which he obtained from the local library. Depending on his mood, he also enjoys writing and playing music. In his spare time, he enjoys playing sports, he prefers hockey the most in past. Khuldoon Ali Raza says about it:

> "In addition to working creatively, my father enjoys sports, particularly hockey which was his popular and first choice in college life,shooting, badminton, cricket, and swimming werealso his favorite in pastimes. Every Saturday evening, he plays himself and occasionally with us, and he teaches us how to shoot with a catapult and an air gun"(19)

Ali Raza Ahmed enjoys music as well. "My forebears instilled in me a love of music," he explains. Since my childhood, when our house used to have qawwalis (spiritual melodies)programme on the occasion of commemoration (Urs) and qawal (choristers) who understood the symbolism of sufimusic used to participate, now the listing of music has been a part of my life.

Commencement of literary life:

"Literature is a reflection of one's personality." "Everything

that contains imagination is called literature," writes Dr. Wazir Agha.

Close examination of this definition reveals that man's observation in literature expands with his thought scope. Every human mind is imaginative in its own unique way. A man is lost in his imaginary world and continues to move forward in response to his circumstances and events. Poets or writers have a sensitive mind, so their imagination is of an aesthetic nature. They have the ability to see the world from a perspective that the average person does not have so. When seen through the eyes of a comedic writer, he not only feels the conditions and events that surround him, as well as previous incidents of life, but he also extracts subjects from the extract of current era and then expresses these subjects in a humorous manner.

Ali Raza Ahmad began his writing career as a poet. He began writing "raw" poetry in 1980, but instead of enduring the criticism of his loved ones and others, he stuck to his passion and eventually proved to be a competent poet.

He reformed himself with poetry lessons from Dr. A.D. Naseem, Pakistan's first Ph.D Scholar in Urdu Literary (1954), who provided uncountable services in Urdu literature. In Sahiwal, Dr. A.D. Naseem educated the largest generation of young people. His personality has a lot of different sides. Dr. A. D. Naseem was a mature scholar, an astute critic, and a well-known Iqbalist. Dr. Saadat Saeed, a well-known contemporary teacher, poet, critic, and researcher, is the son of Dr. A.D. Naseem. Dr. Saadat Saeed is now the President of Government College University's Department of Urdu. In addition, he was affiliated with Ankara University's Urdu-Pakistan Studies Chair. Ali Raza Ahmed began writing poetry in 1995, with the guidance of Dr. A. D. Naseem. In 1998, his first lyrics were published in the magazine "Al-Saghar."

"I began seriously writing Urdu poetry in 1980

with a few poems that started and stopped several times," Ali Raza Ahmed writes. Then, in 1996, I began writing on a regular basis.... Previously, when sitting with friends, movie songs were only ever imitated in a lighthearted manner. (21)

Ali Raza Ahmed is a well-educated and talented individual. He was born with a sense of humour. In his early years, he expressed his amusing words orally or in his letters that have wrote to relatives. In 1985, he translated his wit into cartoon illustrations, and his first attempt was published in the Faisalabad-based journal Daily "Paigham."

While stationed in Gwadar, Ali Raza Ahmed began writing satire and humour. In order to avoid mental disturbances such as house sickness, he used comedy to break the solitude in Gwadar, which was a tranquil and calm, far-flung place at the time in 1997.

Dhajian (2001) was his first collection of hilarious essays. Simultaneously, he began writing columns, but this series of columns was short-lived. On May 8, 2001, the Lahore-based Daily Insaf published his first Urdu column “Notice Board”

Ghazanfar Hashmi made Ali Raza Ahmed's first comment on Dhajian when he penned a column about it in the Daily Asas. In the year 2000, Anoop Faisalabad began publishing his amusing articles. Ali Raza Ahmed has written for the Daily Dunya on a variety of topics, including humour.

Creations (Books by Author)

Ali Raza Ahmed demonstrated the essence of his art in nearly every genre of literature, but only five of his books have been published to date. In addition, six books are in the works.

1. Dhajian(دھجی آں)
2. AirayGhairay (ایرے غیرے)
3. MazaahRaah (مزاح راہ)

4. MazahMeen (مزاح مین)
5. Raza Qarian (رضا کاریاں)

Under Publications

6. Khusk Aankhen Urdu Poetry)
7. Taiba ki Gali (طیبہ کی گلی)
8. Mizaah-e-Masnoonah (مزاحِ مسنونہ)
9. GirdoMizaah (گردومزاح)

Under publication:

10. DheengaMushti (دھینگامشتی)

Eight of Ali Raza Ahmad's books are about satire and humour, while the other three are about poetry. His book Khusk Aankhen (خشک آنکھیں) is a collection of published Urdu poetry ghazals, while Taiba ki Gali (طیبہ کی گلی) is a collection of Naat. His next poetry collection, Aalamtain (علامتیں), is also comprised of poetry.

Personality:

As time passes, many impressions rise and fall in the desert of life, and many more are hidden behind seven curtains. On the other hand, this life caravan continues to pick up and drop off new passengers. Some individuals are chosen in this caravan to direct, guide, and hoist the flag against the inequities of life. Ali Raza Ahmed is amongst them. He was entrusted with the responsibility of managing the caravan with satire and humor.

Ali Raza Ahmed has a friendly personality. He's a straightforward individual. He does not have a sense of hypocrisy or dishonesty in his heart or personality. With everyone, he has a friendly relationship. Ali Raza Ahmed is a trustworthy, pleasant, great, and kind host, best friend, and courteous individual. His personality is defined by its simplicity. His attitude is both fashionable and functional. Khuldoon Ali Raza, his son, showed his love for his father by saying:

"My father, I believe, is a role model for me, and if I can emulate him, I will succeed in this world and the next. He has always impressed me as a highly responsible person since my childhood. He is a helpful and persistent person. He brings elegance and good manners to his family and friends. "

A person's circle of friends is the best reflection of his true personality. In this regard, Ali Raza Ahmed was always in the company of morally upright friends. He is a multifaceted personality who has devoted his life to science and literature. In an interview, his friend Malik Salman says:

> "Ali Raza Ahmed's personality is unique, and he possesses outstanding living characteristics." His character is devoid of hypocrisy. It's filled with wit and spontaneous response. Every action he takes is a source of amusement for him. He is a caring, friendly individual who looks after people from all walks of life. (24)

Ali Raza Ahmad's natural attitude, gentle, soothing tone, and compassion for humanity are all admirable traits. His demeanour is straightforward. In his nature, the charm of his personality is simplicity. He dresses plainly, eats simple foods, and leads a simple life. Ali Raza Ahmed is eager to eat delicious food, but not in the way that the wealthy are; rather, he is content to eat whatever is on the table. His wife explains:

> "Ali Raza Ahmad has a modestattitude. Furthermore, the outfit is simple and faultless. He has a strong interest in religion as well as literature. He has a simple personality and prefers to eat simple foods. He likes to eat anything, albeit in small amounts, and he also eats whatever is in the kitchen of the house. (25)

Ali Raza Ahmed's personality is distinguished by a lack of arrogance and hatred for anyone. He is a pleasant person with a

sensitive and compassionate temperament. When someone first meets him, they are completely taken aback by his charisma. His appearance demonstrates that he is a pleasant and cheerful person. Sheikh Siddique (Al-Qamar), Ali Reza Ahmad's publisher, describes his personality as follows:

> Ali Raza Ahmad is a cheerful, upbeat, and gregarious person. He has a serious side to his personality at times, but he also has a sense of humour, as I've noticed. Most of his social circle consists of intellectuals. Anyone who meets him is quickly captivated by Ali Raza's personality and enjoys being in his company. (26)

In this regard, Ali Raza Ahmed's son, Khuldoon Ali Raza, expresses his thoughts as follows:

> "My father is a wonderful person. My friends initially thought Ali Raza Ahmed had a serious and furious temperament, but after meeting him, they all changed their opinions and believe that no one has a better attitude than he does. His disposition is outgoing, and he is motivated by a desire to befriend everyone. "(27)

Ali Raza Ahmed has a large network of friends due to his pleasant humour, passion, and high morals. Anyone who approaches him once is enthralled by him. He has such a wonderful persona that everyone is drawn to him. In friendship, he is a caring and true buddy. He values all of his friendships and never disappoints them. Azhar Saeed Anwar, a childhood friend, says:

> "My best friend is Ali Raza Ahmed. His temperament is unrivalled. I am one of the fortunate ones to have such a friend. I know him in the same way that I don't know myself to that extent. In a world like this, there is no better

> friendship. In my son, I see all of Ali Raza Ahmed's innocent mischief from his childhood. That's how my friend is always in front of my eyes. Even now, we can talk for hours and still gossip. Ali Raza Ahmed adds a sense of levity to everything. We discuss politics frequently, but it never interferes with our friendship. He is a sociable and hospitable person. He is capable of doing everything for the sake of friendship and care. He is no longer subjected to exterior display and fabrication. (28)

Ali Raza Ahmed has an obviously friendly approach. He's also built a positive bond with his children. His personality is distinct in that, in addition to his buddies, he maintains a friendly atmosphere at home. He is not always angry or serious, unlike a typical brown parent, but he has a very benevolent approach. Nabila Ali Raza, his wife, states in an interview:

> "He enjoys spending time with his children. He has never used his parentally force and has always allowed them to study whatever they want. He always tells the kids to live their lives the way they want to live and to do what they want to do but in a mannerly way. It is not sufficient, however, to be totally ignorant of everything. He is in charge of everything. All children can easily express their views to him, but he also reprimands them when needed, but a feeling of friendship pervades them all. " (29)

Ali Raza Ahmed's character is a blend of wisdom, devotion, friendship, humanism, and compassion. He is beloved not only among his friends in terms of morality, habits, and good character, but also among the readers, who are impressed by his good manners. He has figured out how to make everyone happy with

his own unique approach. He does not embarrass anyone, gossip or complain about them. "Don't complain, never explain," as the saying goes.

A Brief introduction to Ali Raza Ahmed's books

The following is an introduction to Ali Raza Ahmed's books on humor and satire.

1. Dhajian (دھجی آں)
2. AirayGhairay (ایرے غیرے)
3. Mazah Rah (مزاح راہ)
4. MazahMeen (مزاح مین)

1.Dhajian (دھجی آں)

Dhajian (splish-splashes) is Ali Raza Ahmed's first collection of witty articles and a book, published in 2001 by Al-Qamar Enterprises. The book begins with some background information about the author, including details about his education, professional experience, and personal characteristics.

This book is dedicated to all scholars and intellectuals, as well as to those who enjoy reading and writing satire and mimicry. In total, there are approximatelyforty-five funny articles in this book. It is important to note that each article has its own unique status. The writer's cover title has been the subject of very strong and courageous remarks from Zia-ul-HaqQasmi and Dr. Inam-ul-HaqJavedsince twenty-two years, and the author has responded in kind. The Preface of "Dhajian" was written by the late Dr. A. D. Naseem, while the Forewords were written by the author himself. This book is 141 pages of satire. Every page is amusing. The word didn't hurt anyone. In short, this book is a smile under the lips.

Ali Raza Ahmed writes the following in reference to this book:

"I tried to clarify rather than scatter somebody's

dispersed brain, and I didn't try to mock anyone in particular." "If you still find it insensitive, please let me know and I shall up the hands in front of you." (30)

2.AirayGhairay (ایرے غیرے)

"AirayGhairay" (insignificant people or low-status members of society) is another collection of Ali Raza Ahmed's witty essays. (A year after the publication of Dhajian). It was published in 2002 by Ali Mian Publications, 20, Aziz Market, Urdu Bazaar, Lahore. This book is 151 pages long and each page is jam-packed with comic gags. Ata-ul-HaqQasmi is adamant about the back cover title. This book is attributed to "The tip of the pen" by Ali Raza Ahmed. AirayGhairay begins with Prof. Naeem Masood's article. Ghazanfar Hashmi has made a powerful statement about this book. On the following page, Ali Raza Ahmed has penned a preface titled "For the Readers." After a year, a new book was presented to readers, along with plenty of excitement about other comic subjects. This book will make you smile. Ali Raza Ahmed writes about AirayGhairay: "Several attempts have been made to address a variety of social issues in these" "Ghairayiray". According to the writer,

> "in my articles you will discover a hidden and outward (irrelevant folks) "AirayGhairay" whose every performance move has been attempted in a humorous and satirical manner." (31)

3.Mazah Rah (مزاح راہ)

This is Ali Raza Ahmed's third collection of comics, Mazah Rah (demonstration), published almost twelve years after AirayGhairay. This book debuted in 2014 and contains 141 pages. It was published by Al-Qamar Enterprises Rehman Market, Ghazni Street, Urdu Bazaar Lahore. This book is dedicated to " in the name beautiful couples who are going through a difficult time

in their relationship."

Ali Raza Ahmed himself wrote the preface. "Mazah Rah" is a collection of 59 articles. Each article is unique in its own phrase. From the first line to the final letter, interest and excitement persist, and unintentional laughter becomes increasingly loud. Ali Raza Ahmad begins the pages with a humorous paragraph:

> "Humor has always been regarded as a difficult task, though painting is also challenging. If a comedian is painting, his yard can become like crooked roots as a painter's brush; straightening it out is impossible work. But since no one is ashamed of having a "gun of fun" on a satirist way, I've done my best to compile a collection of selected columns, which I hope readers will enjoy. (32)

"مزاح نگاری کو ہمیشہ ایک مشکل کام سمجھا جاتا رہا ہے حالانکہ نقش نگاری بھی ایک مشکل کام ہے اگر کسی مزاح نگار کو نقش نگاری پہ لگا دیا جائے تو اُس کا آنگن نقش نگار کے برش کی طرح ٹیڑھا ہو سکتا ہے ..... جسے نقار خانے کی طوطی بھی سیدھا نہیں کر سکتی لیکن طنز کی قلم اٹھانے والے پر ٹیڑھے آنگن والا "گن" اٹھانے میں بھی تامل محسوس نہیں کرتا لہٰذا میں نے اپنی آنکھ بچا کر منتخب کالموں کا مجموعہ ترتیب دے دیا ہے اور اُمید ہے قارئین کو یہ آنکھ ضرور بھائے گا۔ بشرطِ آنکھ بھر کر دیکھنے کا وقت مل پائے تو....."

4. MazahMeen (مزاحمین)

(Essays)

"MezahMeen" is his fourth collection of humorous essays, following Mezah Rah by nearly four years. It was released in December, 2018 and published by Qamar Enterprises, Ghazni Street, Urdu Bazaar, Lahore. Faique Ali Raza edited the book, while his younger son, Khuldoon Ali Raza, designed the layout.

Miss Khalida Salman proofreads the comedy lines.

The book is attributed as follows: "In the name of comic writers who, while they occasionally have to incorporate anxiety into their creations, continue the authoritative constructive and metaphorical movement without ever expressing prejudice, incredulity, or contradiction."

Ata-ul-HaqQasmi, a well-known and respected writer and celebrity, expresses his views in his article titled "Well done Ali Raza Ahmad Well done" following Gul Nokhaiz Akhtar's opinion in MazahMeen. Each page of this book contains glittering phrases, and the book is brimming with humour. Mr. Gul Nokahiz Akhtar makes reference to "Humorous Man" in his writing.

Ali Raza Ahmed's "Humour Man" is a welcome addition to comic literature; otherwise, there are numerous books written in the name of humour that, when read, make you laugh and feel bad. It is almost certainly the only book in the world to have been credited with a "couples of pain." (33)

Evaluation

Curiosity is a fundamental aspect of human nature, and it is through curiosity that man ascends to new heights and follows milky paths in all orbits. Curiosity fosters the contemplative habit, which in turn stimulates the human imagination. A person's capacity for thought and comprehension draws him to writing, and he becomes acquainted with the pen. A creator's writings constitute his entire capital. He enters the field armed with a pen and attempts to examine society's problems and flaws from a variety of angles. For him, society's problems and contradictions constitute an intellectual challenge.

A comic writer’s most difficult task is to bring a smile to people's faces through his writing. He uses his imagination to trace human thought and then attempts to adapt his writing

appropriately. His goal in life is to make the environment around him beautiful and lively, not to ridicule anyone but make him fool by writing with out saying him stupid . He uses his pen to attempt to bring a sense of humour to society's bitter realities and inequalities.

Ali Raza Ahmed was born on December 1, 1963 in Sahiwal to the Farooqi family. His family was religious. He began his literary career with poetry. His first lyrics were published in 1998, and his first cartoon was published in 1985. He began his career in humour while stationed in Gwadar. Because the author lives in a society where he observes and thinks, he develops his humour in the same social environment in which he was born.In the colour of humour, he portrays society's bitterness.

Ali Raza Ahmed has a wide range of interests and abilities. He is known for his distinctive temperament. He is all smiles, kind, and really trustworthy. He really enjoys being around his friends and their children. He is always eager to assist his juniors when it comes to literature. His writings are so moving because of the message he sends to readers is different way. Ali Raza Ahmed has published four collections of humour and, most recently, a collection of poetry titled (خشک آنکھیں) Ghazaliat.The Comic books have their own distinct style. Each book is distinct in terms of colour, sweetness, and appeal. Not only does humour provide a source of entertainment in his books, but it also acts as a catalyst for change, similar to receiving a massage that “Mazahmeinislah”

Ali Raza Ahmed's articles touch on a wide range of subjects. In his writings, reality and all of the contemporary issues take the form of a story. We notice a distinct style in his writing. He demonstrates his abilities through the use of verbal distortions, similes, formulas, and word exceptions, etc. He has deftly exposed society's strengths and weaknesses in his articles. Whether it's a personality trait or a statement about a psychological aspect, whether it's social corruption or an

explanation of political issues, he covers all bases extremely well.

Every subject covered in Ali Raza Ahmed's articles is constantly in demand. If he wrote about politics, he describes how politics occurs in every profession and sector of life in very simple terms. He used to write a column called "Raza qurian" رضا قاریاں for various newspapers, and his column occasionally took on a political tone.Thus, his writings have political overtones, but he does not confine himself to discussing politics; he also discusses issues relating to the film industry. Ali Raza Ahmed's themes are not limited to economics, society, the country, and politics; he is also well acquainted with the societies and even film industries of other countries, and occasionally makes witty observations about them. He openly mentions not only the Pakistani film industry, but also Bollywood and Hollywood. His articles appear to surpass the breadth and depth of his thoughts.

He related his experiences and observations regarding his perspective on life. His wit is exceptional. He wishes to share his anguish with his readers, which causes the reader to groan inconveniently after reading his articles. Along with humour and satire, his language's expressiveness adds to the pleasure and intensity of these subjects. His elegant style captivates the reader.

Ali Raza Ahmad is intimately familiar with the maturation of language and expression, historical consciousness, religious ideas, and the art of reflecting a shared civilization in his writings. All of his subjects promote humanity, struggle to survive, support the oppressed, stop social exploitation, and restore violated rights.

He has presented society's corruption through the lens of satire and humour. He has exposed society's corrupt individuals, the corrupt nation, the hypocrites' ignorance, and the recommendation. He does not merely describe social vices; he also criticizes the country's leaders, nations, and ordinary citizens, whose cries and shouts can be heard through his lines as a result

of reading his articles.

Ali Raza Ahmed discussed the various forms of evil that exist in society. Whether it is inequity toward the poor in the country's laws or lies and deception, he has skillfully presented all the facts. People create societies. Without eradicating the scourge of dishonesty, fraud, and bribery from all segments of society, the nation's values will deteriorate gradually.

In his articles, Ali Raza Ahmed has addressed every issue that a man faces in society. All of these are economic, social, and political concerns. The virtue of a good writer is that, rather than ignoring the evils nurtured in society, he should use his pen to reveal the truth, which is nothing more than the aspect of reforming society that will prevent ethics from deteriorating further. We observe a mixture of social and societal issues, as well as Ali Raza Ahmed's experience and imagination, in his articles. His themes exemplify both Eastern and Western civilizations. He appears to be writing in the context of the current global crisis, which is characterized by chaos, stress, and uncertainty.

Ali Raza Ahmad wishes to convey the heartbreaking interaction of life through appearance. He allocates these shades throughout his satirical and comedic canvas. His articles exude a sense of social awareness. The cultural truths he presents in his articles are not the result of his imagination, but rather of the contradictions between East-West wealth and poverty.

A successful comedy writer thinks about the issues humanity faces on a global scale, not just his own country's problems but all over. Ali Raza Ahmad is well versed in this artistic medium. He has also addressed the problems and sufferings of people in Western countries in his articles. The difficulties encountered by Asian migrants, in particular, are detailed. Through his characters, he has reflected reality in his articles. Additionally, he presents the menial issues in a fresh and innovative way, giving it a sense of uniqueness. His articles have the potential to capture the interest

of the reader.

Only the first few lines of his articles are credible enough to intrigue our interest.According to human nature, what is intended to be expressed openly loses interest and significance over time, while what is intended to be expressed secretively and curiously acquires new meanings. His articles are written in a straightforward and fluent style. There are both feminine and masculine roles represented in this collection.

His articles place a high value on mass psychology. He perfectly reflects our flawed legal system. He has used satire and humour to attack personal issues, caste and community, and how people prioritize caste and community over humanity. The Character's habits and manners are well represented. His writing is simple and sophisticated. He admires the values of both tradition and modernity.

Additionally, the language possesses charm, politeness, and fluency. He is well aware of the importance of expressing his emotions, ideas, and thoughts.

Ali Raza Ahmad's articles have captivated readers and are impossible to escape, because they contain the same circumstances, events, and habits that every human being encounters in everyday life. His research is extensive, in-depth, and vibrant. Additionally, he incorporates words from English, Persian, Punjabi, Seraiki, and Hindi into his writings. Not only he does appear to be the bearer of truth, but he also has a strong grasp of the human psyche and the ability to articulate complex issues. Rather than adorning his articles with cumbersome and heavy words and phrases, he draws inspiration from the scattered life and colloquialisms around him. His writings have been resurrected through literal distortion, literal conceptions, and also through humorous lyrics.

Ali Raza Ahmed used similes, proverbs, sayings, new distorted words, and parables to enhance the appeal and beauty

of his writings. These adornments lend his subjects brevity. His lengthy articles retain their uniqueness while maintaining the same level of thought and imagination as the rest of the book's articles.

The essays of Ali Raza Ahmad have depth of thought, everlasting, and uniqueness on all subjects, a youthful tone, and a rare style of expression. He expresses his emotions honestly, because readers can not feel this effect unless your emotions and feelings are genuine.

He demonstrated society's hollow civilization, economic inequality, and contradictions, as evidenced by his personal experience. Ali Raza Ahmed has exposed the reader to the corrupting elements of society, namely inflation, poverty, and deprivation. He is adamant about not living in the realm of fantasy. He yearns for a revival of reality. His writings delve into the plethora of attitudes, emotions, and feelings that characterize our lives. A good comic writer captivates the reader by demonstrating that this is not merely a topic in our lives, but the reality in which we live. He also addressed the individual's psychological issues, such as confusion and loneliness. He is at the pinnacle of thought, and his art is maturing.

Together, language and events, observation and experience, the ability to peer into the minds of characters and unravel their psychological mysteries, perception and consideration of social issues, proof of thought and the ability to envision new literary concepts are sufficient to determine Ali Raza Ahmed as a strong comic writer.His keen observation, understanding of social issues, artistic grasp, psychological insight, and ability to rewind at every turn, made Ali Raza Ahmad a renowned writer. Ali Raza Ahmad described us how to enjoy each moment of his life, and he shares this joy with his readers through his articles.

References:

1. Abul Ijaz Hafeez Siddiqui. Discover Critical Terms (کشاف تنقیدی اصطلاحات). Islamabad: Sovereign National Language, 1985
2. Dr. Ashfaq Ahmad Virk, Humor and Satire in Urdu Prose (اُردو نثر میں طنز و مزاح). Lahore: Beg Al-Hikmat, 2004
3. The Holy Quran. Para 13
4. Anwar Jamal, Professor. Literary Terms (ادبی اصطلاحات) . Islamabad: National Book Foundation. Fourth edition, 2017
5. M. Sultana Bakhsh, Dr. Stories and Satire (داستانیں اور مزاح) . Lahore: West Pakistan. Urdu Academy, 1993
6. Dr. Saleem Akhtar. Critical Terms (تنقیدی اصطلاحات). Lahore: Milestone Publications, 2011
7. Tariq Saeed. Styles and Styles (اسلوب اور اسلوبیات). Lahore: Writings Publications, 1998
8. Abid Ali Abid, Syed. Procedure or Style (اسلوب). Lahore: Milestone Publications, 2001
9. Abid Ali Abid, Syed. Statement (البیان), Lahore: Majlis TarqiAdab. First edition, 1989
10. Ali Raza Ahmad. AirayGhairay (ایرے غیرے) Lahore: Ali Mian Publications, 2002
11. Ali Reza AhmadDhajian (دھجی آں). Lahore: Al-Qamar Enterprises, 2001
12. Ali Raza Ahmad. Demonstration Mazahrah (مزاح راہ), Lahore: Al-Qamar Enterprises, 2014
13. Ali Raza Ahmad Mazahmeen (مزاح مین), Lahore: Al-Qamar Enterprises, 2018
14. Muhammad-ud-Din Fauq History of the Nations of Kashmir. Srinagar (تواریخ اقوامِ کشمیر): Gulshan Publishers, January 1994
15. Great scene. Allegory in Urdu (اُردو میں تمثیل نگاری). Lahore: AnjumanTarqi Urdu Hind, 1977
16. Naseer Ahmad Khan. Literary Styles (ادبی اسلوبیات). New Delhi: MaktabJadeed, 2000

17. Wazir Agha, Dr. Criticism and Modern Urdu Criticism (تنقیداورجدید اُردوتنقید). Karachi: Anjuman-e-Tarqi Urdu, 1989

Magazines and journals:

1. Dr. Ijaz Hussain Syedar. The Beginning and Importance of Laughter Including Impressions of Satire and Humor (71-72) (ہنسنے کی ابتدا اور اہمیت مشمولہ نقوش طنز و مزاح). Lahore: Promotion Agency, January, February 1959
2. Shafqat Hussain Style Issue. Content Sheets (اسلوب کا مسئلہ۔مشمولہ اوراق). Lahore: Special Issue 2, 1967
3. Dr. Shaukat Sabzwari, Dr. Satire and Humor in Urdu Poetry. Content of Satire and Humor No. 71-72 (اُردوشاعری میں طنزومزاح۔مشمولہ نقوش طنزومزاح)
4. Nisar Ahmad Farooqi What is the style? Criticism of Urdu in Post-independence Delhi. (اسلوب کیا ہے؟ مشمولہ آزادی کے بعد دہلی میں اُردو تنقید۔)(Edited by SharbRadoli, Professor). Delhi: Urdu Academy, 1991

Interviews:

1. Writer's interview with Mr. Ali Raza Ahmed by telephone
2. Writer's interview with Mr. Azhar Saeed
3. Writer's interview with Mr. Khuldoon Ali Raza
4. Writer's interview with Mr. Gul -E- Nokhaiz Akhtar
5. Writer's interview with Mr. Sheikh Siddique of Alqamar Publication
6. Writer's interview with Mr. Malik Salman Airport Manager Walton
7. Writer's interview with Mr. Nasir Malik Comic Writer
8. Writer's interview with Mrs.Nabila Ali Raza

English Dictionaries:

1. Dictionary of Phrase and Fable by the E.Cobham Brewer, LL.D Aassell and Company Limited, New York - London: Paris and Melbourne, 1900
2. Encyclopedia Americana - 14
3. Encyclopedia Americana – 24

Internet:

1. https://ur.m.wikipedia.org/wiki/ اردو
2. https://ur.m.wikipedia.org/wiki/ پنجابی
3. https://ur.m.wikipedia.org/wiki/ سرائیکی
4. https://ur.m.wikipedia.org
5. https://dunya.com.pk/index.php
6. https://ur.m.wikipedia.org
7. https://www.google.com/ampls/www.express.pk/story

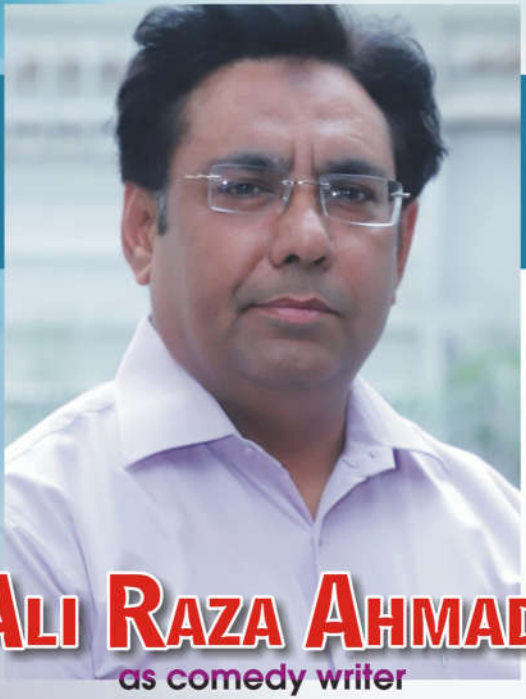

Ali Raza Ahmad

as comedy writer

Written by:

HADIA SAHAR

Translated by:

Prof. Dr. SAIMA JABEEN

اردوسخن

urdusukhan@hotmail.com

nasirmalik.01@gmail.com

https://twitter.com/urdusukhan

https://www.facebook.com/
urdusukhancom-136555273080951/

ISBN

9 789697 430536 >

www.urdusukhan.com

ART LAND, Chowk Azam. Distt. Layyah (Punjab) Pakistan